اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ

ماہنامہ

البرہان

لاہور

نومبر ۲۰۲۳ء

مدیر: پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

CPL No. 296 Monthly Al Burhan November 2023

ڈاکٹر محمد امین کی چند اہم تصانیف

نمبر شمار	کتاب	صفحات
	عصری تعلیم کی اصلاح (اسلامی تناظر میں)	
۱	ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل	۴۵۰
۲	اسلامی سکول کے خدوخال	۸۰
۳	تعلیم اور اس کا اسلامی کردار	۱۹۷
۴	یکساں قومی نصاب۔ خدشات و مضمرات	۲۰۸
۵	تدریس القرآن، پارہ ۱، ۲، ۳، ۳۰ برائے معلمین	۱۹۰
۶	تدریس القرآن، پارہ ۱، ۲، ۳، ۳۰ برائے طلبہ و طالبات	۴۸
۷	پنج سورہ مع پارہ عم (اردو تفہیم)	۷۶
۸	ایک نئی یونیورسٹی کی ضرورت	۱۲۰
۹	اسلامی علوم میں تحقیق	۲۷۲
	طلبہ کی اسلامی تربیت	
۱۰	تعلیمی ادارے اور کردار سازی	۱۷۲
۱۱	تعلیمی اداروں میں تعمیر سیرت۔ ہینڈ بک و گائیڈ	۱۹۰
	اصلاح دینی مدارس	
۱۲	ہمارا دینی نظام تعلیم	۲۵۰
۱۳	نصاب مدنی"	۴۰
۱۴	مدرسہ ڈسکورسز۔ مطالعہ و تجزیہ	۱۵۶
۱۵	اصلاح دینی مدارس	۳۵۲
	اسلامی تحریکیں	
۱۶	پاکستان کی دینی قوتیں غیر مؤثر اور ناکام کیوں؟	۲۴۰
۱۷	خاموش انقلاب ناگزیر ہے	۲۸۸
۱۸	عصر حاضر میں دین کا متوازن تصور	۸۴
۱۹	نئی اصلاحی تحریک کی ضرورت	۷۲
	تزکیۂ نفس	
۲۰	اسلام اور تزکیۂ نفس (مغربی فکر کے ساتھ تقابلی مطالعہ)	۹۰۳

نمبر شمار	کتاب	صفحات
۲۱	حقیقت تزکیۂ نفس (سوالاً جواباً)	۹۲
۲۲	اپنی اصلاح آپ کیسے؟	۵۶
۲۳	ترک رذائل (احمد جاوید)	۲۹۲
۲۴	اسلام اور تعمیر سیرت	۴۰۴
	اسلام اور مغربی فکر و تہذیب	
۲۵	اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش	۱۷۶
۲۶	اسلامی اور مغربی اصطلاحات کا تقابلی مطالعہ	۱۷۶
۲۷	اسلام اور ردِ فکرِ مغرب	۲۱۶
	تفہیم دین	
۲۸	مسلم نشاۃ ثانیہ۔ اساس اور لائحہ عمل	۴۰۰
۲۹	شاتم رسول کے قتل کی شرعی حیثیت	۴۸
۳۰	رزم حق و باطل	۸۰
۳۱	اسلام اور پاکستان	۳۰۰
۳۲	عصر حاضر اور اسلام کا نظام قانون	۲۵۰
۳۳	مقالاتِ امین (جلد اوّل)	۹۷۶
۳۴	مقالاتِ امین (جلد دوم)	۹۳۲
	اللغة العربية	
۳۵	السلطة التشريعية _ دراسة مقارنة	۱۵۰
	English Books	
۳۶	Islamization of Laws in Pakistan	250
۳۷	Riyaz us Saliheen I & II	950
۳۸	Literal Translation of the Holy Quran Para 1-10	500

مکتبہ البرہان

136 نیلم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

ای میل ermpak@hotmail.com

ماہنامہ البرہان لاہور

جلد ۲۷، شمارہ ۱۱، نومبر ۲۰۲۳ء / ربیع الثانی ۱۴۴۵ھ

مشمولات

مضمون	مصنف	صفحہ
○ فکرونظر		
مسجد اقصیٰ کی پکار		۴
○ تعلیم وتربیت		
- کیا پنجاب یونیورسٹی کا قیام استعمار کی سازش تھی؟	حافظ محمد عمران طحاوی	۵
- پنجاب میں سرکاری تعلیمی اداروں کی پرائیوٹائزیشن	پروفیسر عاصم حفیظ	۸
- قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ علم اور اہل علم پر ان کے اثرات	ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی	۱۱
- اساتذہ کی پیشہ وارانہ تربیت اور لائسنسنگ	ڈاکٹر محمد افضل بابر	۲۲
- قرآن حکیم کی تعلیم سے نالاں یونیورسٹیوں کا کردار	پروفیسر عاصم حفیظ	۲۴
○ تفہیم دین		
- سیرت النبی کی روشنی میں احیائے دین		۲۶
- 'عصرِ حاضر میں احیائے اسلام' پر سیمینار	مدیر	۳۱
- غلبۂ دین کا متبادل منہاج / مکالمہ		۳۳
○ تفہیم مغرب		
- کیا ٹیکنالوجی غیر اقداری ہوتی ہے؟	ڈاکٹر عثمان احمد	۳۸
- مغربی تہذیب ایک دلدل ہے (آخری قسط)	ڈاکٹر احمد امتنان کاشف	۴۲
○ عالم اسلام/افغانستان		
- طالبان کا افغانستان: چند غور طلب اختلافی امور	مدیر	۴۷
○ اسلام اور مغرب		
مسلم معاشروں میں فیمنزم کا چیلنج	ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری	۵۳
○ البرہان کی ڈاک		
ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری۔ پروفیسر عبدالخالق سہریانی	ادارہ	۶۳
English Section		۶۶
A Note on Women's Access to Dawah Activites	Dr. Javed Akbar Ansari	

مدیر

ڈاکٹر محمد امین

ادارۂ تحریر

ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری

حافظ محمد عمران طحاوی

لیگل ایڈوائزر

محمد یحییٰ رشید، ایڈوکیٹ ہائی کورٹ

انچارج سرکولیشن

(0300-4107282)

[برائے خریداری، تجدید، شمارہ تاخیر سے ملنے کی شکایت اور مکتبہ البرہان کی کتب کی خریداری کے لیے]

زرِاعانت: فی شمارہ 85 روپے

سالانہ 1000 روپے۔ پانچ سال: 5000 روپے

تاحیات 40,000 روپے

تحریک اصلاحِ تعلیم ٹرسٹ

سونیری بنک لمیٹڈ، مین برانچ، لاہور

PK92SONE0000120000056341

برائے رابطہ

136 نیلم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

برائے آن لائن مطالعہ

www.alburhaan.pk

کمپوزنگ: حافظ محسن یوسف

0306-4640366

فکر و نظر

مسجدِ اقصیٰ کی پکار

اور مغرب زدہ بے حمیت مسلمان حکمران

حماس نے ایک دفعہ پھر اپنے دین اور وطن کے لیے قربانیاں دینے کی ٹھانی اور اسرائیل پر اچانک حملہ کر کے اس کی قوت کا غرور توڑ دیا لیکن ظاہر ہے اسرائیل ایک بدمست ہاتھی ہے اور اسے امریکہ و یورپ کی مکمل حمایت حاصل ہے چنانچہ اس نے غزہ پر ہوائی حملے کر کے علاقے کو کھنڈر بنا دیا ہے۔ ہزاروں فلسطینی شہید ہو چکے ہیں جن میں بڑی تعداد معصوم بچوں اور خواتین کی ہے اور ہزاروں گھر منہدم ہو چکے ہیں۔ صرف حزب اللہ کچھ تھوڑا بہت اس کا ساتھ دے رہی ہے۔ جہاں تک مسلم حکمرانوں کا تعلق ہے تو ان کی بہت بڑی اکثریت مغرب زدہ اور بے حمیت ہے۔ انہیں اللہ کا ڈر نہیں لیکن امریکہ کے ڈر سے وہ فلسطینیوں کی عملی مدد کرنے کا نہیں سوچتے۔ کچھ خوراک اور کمبل وغیرہ بھجوا رہے ہیں۔ غزہ کے ہمسائے مصر کا یہ عالم ہے کہ وہ اتنی بھی ہمت نہیں کرتا کہ بنیادی انسانی ضروریات کا سامان ہی وہاں پہنچنے دے۔ OIC مردہ گھوڑا ہے۔ مسلم ملکوں سے زیادہ بڑے جلوس تو اسرائیل کے خلاف یورپی ملکوں میں نکل رہے ہیں۔

کِس سے گِلہ کریں؟ مغرب کو کیا دوش دیں؟ دشمنوں سے تو دشمنی ہی کی توقع ہوتی ہے سوال یہ ہے کہ پچپن مسلمان ملکوں کی قیادتوں کو سانپ کیوں سونگھ گیا ہے؟

ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ فلسطینیوں پر رحم فرمائے اور انہیں ظالموں سے نجات دلائے۔ لیکن اس نے بھی فیصلہ فرما رکھا ہے کہ جب تم تک خود کو نہیں بدلو گے، ہم تمہاری حالت نہیں بدلیں گے۔ یا اللہ ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم اپنی حالت بدل سکیں۔ اے اللہ! ہم شرمندہ ہیں کہ پاکستان کی عسکری اور سیاسی قیادت فلسطینیوں کی عملی مدد کرنے کو تیار نہیں اور ہماری دینی قیادت فلسطینیوں کی حمایت میں ایک بڑا جلوس نکالنے کے لیے متحد ہونے کو تیار نہیں۔

یا اللہ! ہمارے عسکری قائدین کو توفیق عطا فرما کہ وہ اپنے کام سے کام رکھیں اور پسِ پردہ رہ کر ملک کا نظام چلانے کی ان کی خواہش ختم ہو جائے۔

تعلیم و تربیت　　حافظ محمد عمران طحاوی

کیا پنجاب یونیورسٹی کا قیام استعمار کی سازش تھی؟

پنجاب کا خطہ پانچ دریاؤں کی وجہ سے ہمیشہ زرخیز رہا ہے۔ زرخیز زمین کے ساتھ ساتھ یہاں پر تعلیم بھی ہمیشہ سے زرخیز رہی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں انگریز کے قابض ہونے سے پہلے مسلم دورِ حکومت میں تعلیمی ثنویت کا کوئی وجود نہیں تھا۔ ہر قابل شخص اپنی تعلیم اور جوہر قابلیت سے اپنے اپنے میدان کا انتخاب کرسکتا تھا۔ تعلیم یافتہ اور ہنرمند افراد کی کوئی کمی نہ تھی۔ پرانے قلعے اور بڑی بڑی شاندار تاریخی عمارتیں اس بات کا بین ثبوت ہیں۔ مشہور صوفی بزرگ شیخ مجدد الف ثانیؒ، احمد معمار لاہوری (جس نے تاج محل بنایا) اور سعد اللہ خان (جہانگیر کا وزیر اعظم) ایک ہی استاد کے شاگرد تھے [۱] تاہم انہوں نے مختلف میدانوں میں اپنی قابلیت کے جوہر دکھا کر اپنا سکہ منوایا۔

راجہ رنجیت سنگھ نے بھی اپنے دور میں مسلمانوں کے اس نظام تعلیم کو پنجاب میں جاری رکھا بلکہ اس نے حکم دے دیا کہ ہر دھرم شالہ کے ساتھ مکتب ضرور بنایا جائے یہی وجہ ہے کہ پنجاب میں تعلیم 100 فیصد تھی۔ [۲]

ہندوستان کے مختلف علاقوں پر قبضہ کرتے ہوئے 1849ء میں انگریز نے پنجاب پر بھی قبضہ کرلیا انگریز حکومت چونکہ استعمار کی حکومت تھی لہٰذا یہاں سرمایہ دارانہ فکر رچی بسی نظر آئی۔ انگریزوں نے اپنے فرمانبردار لوگوں کے لیے الگ انگریزی نظام تعلیم بنایا جبکہ عوام الناس کو جاہل رکھنے کی ہر ممکن تدبیر کی۔ انگریز اس تعلیم کو خطرناک سمجھتے تھے جس کی بدولت عوام حکومت یا سرمایہ داروں کے محتاج نہیں رہتے تھے چنانچہ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے انگریز حکومت کنگز کالج لندن کے ایک نوجوان پروفیسر ڈاکٹر گوٹلیب ولیم لائٹنر (Gottlieb Wilhelm Leitner) کو لاہور لائی۔ لائٹنر بہت ذہین اور عجیب و غریب کردار تھا۔ یہ بہت سی زبانیں جانتا تھا۔ وہ ایک یہودی

---

[۱] ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضراتِ تعلیم، دار العلم والتحقیق کراچی

[۲] جاوید چوہدری کا کالم 'ایک قیمتی سوال' روزنامہ ایکسپریس، ۲ مارچ ۲۰۲۱ء

خاندان میں پیدا ہوا۔ عربی، ترکی اور فارسی میں خوب مہارت رکھتا تھا۔(۱)

کچھ عرصہ ظاہراً مسلمان بھی بنا رہا۔ اس نے داڑھی بڑھا کر اپنا نام عبدالرشید سیاح رکھا(۲) اور تمام اسلامی ملکوں کی سیاحت کی۔ دکھانے کے لیے وہ مسجدوں میں نماز تک پڑھ لیتا تھا۔ وائسرائے نے اسے ہندوستان بلایا اور اسے پنجاب کا نظامِ تعلیم بدلنے کی ذمہ داری سونپ دی۔ لائٹنر نے پنجاب کا دورہ کیا اور وائسرائے کو لکھا کہ مجھے پڑھے لکھے پنجاب کو جاہل بنانے کے لیے 50 سال درکار ہوں گے۔ وائسرائے نے اسے 50 سال دے دیے۔ اسے انسپکٹر جنرل آف سکولز پنجاب بنا دیا گیا۔ پھر اس نے 1864ء میں گورنمنٹ کالج (GC) بنوایا اور اس کا بانی پرنسپل بنا۔

اس نے آگے چل کر پنجاب یونیورسٹی کی بنیاد بھی رکھی۔ یہ ان دونوں اداروں کا بانی سربراہ تھا(۳)۔ انگریز نے پنجابیوں کو غیر مسلح کرنے اور ان پڑھ بنانے کے لیے پنجاب میں ''ہتھیار جمع کرائیں اور حکومت سے تین آنے لے لیں'' اور ''عربی، سنسکرت، گورمکھی کی کتاب دیں اور چھ آنے وصول کر لیں''، جیسی سکیم بھی متعارف کرائی اور پورے پنجاب سے کتابیں اور اسلحہ جمع کر لیا۔ انگریز نے اس کے بعد انگریزی زبان کو سرکاری اور دفتری زبان بنا دیا اور سکولوں کو عبادت گاہوں سے الگ کر دیا۔ یہ علم کی ثنویت (Dichotomy) کا آغاز تھا۔

انگریزوں نے اپنے وفادار جاگیرداروں اور زمین داروں کے بچوں کو انگلش میڈیم تعلیم دے کر متوسط طبقے کو دبانے کی ذمہ داری بھی دی۔ ان تعلیمی اداروں میں انگریزوں کو سمجھ دار، قانون پسند اور انصاف کا پیکر بنا کر پیش کرنا بھی شروع کر دیا گیا۔ مقامی زبانوں اور کتابوں کو جہالت کا مرکب قرار دے دیا گیا۔ ولیم لائٹنر کا تعلیمی منصوبہ کامیاب ہو گیا اور اس نے 50 کی بجائے 30 برس میں پورے پنجاب کو غیر تعلیم یافتہ اور جاہل بنا دیا۔ لیائٹنر نے اپنے ہاتھ سے لکھا میں نے پورے پنجاب کا دورہ کیا۔ آج یہاں کوئی پڑھا لکھا شخص نہیں ہے۔ اس نے

---

(۱) انسائیکلوپیڈیا، وکی پیڈیا

(۲) Heritage Times 4 April 2020, India

(۳) Encyclopaedia Britannica, Vol.16,1911 نیز دیکھیے افراسیاب مہدی، Tribune Magazine July 2023, UK

سیالکوٹ کے ایک گاؤں چوڑیاں کلاں کی مثال دی۔ اس کا کہنا تھا کہ میں پنجاب آیا تو اس گاؤں میں ڈیڑھ ہزار پڑھے لکھے لوگ تھے، آج یہاں صرف 10 لوگ گورمکھی اور ایک اردو پڑھ سکتا ہے اور یہ بھی چند برسوں میں مرکھپ جائیں گے۔ لائٹنر نے پنجاب میں رہ کر اردو سیکھ لی اور محمد حسین آزاد سے مل کر اردو میں دو جلدوں پر مشتمل 'تاریخِ اسلام' لکھی۔ یہ کتاب 1871ء میں شائع ہوئی۔ لیٹنر 1870ء کی دہائی میں اپنا کام مکمل کر کے برطانیہ واپس چلا گیا۔ یہ 22 مارچ 1899ء کو ووکنگ میں فوت ہوا اور عیسائیوں کے قبرستان میں اعزاز کے ساتھ دفن کیا گیا[1]۔

آج بھی انگریز کے غلام وفادار پاکستان پر حکمران بنے ہوئے ہے۔ پنجاب یونیورسٹی مغرب کے فکری غلام پیدا کر رہی ہے اور لائٹنر کا مجسمہ پنجاب یونیورسٹی اولڈ کیمپس کے باہر مال روڈ پر ہمارا منہ چڑا رہا ہے۔ کاش! کم از کم پاکستان بن جانے کے بعد یہ جامعہ نئے نظام تعلیم کی بنیاد رکھتی جو ثنویت سے پاک ہوتا اور اسلامی تناظر میں تدریس و تحقیق اور افراد سازی میں کردار ادا کرتی۔

مختصر خبریں

* مصر میں طالبات کے نقاب اور حجاب پر پابندی۔ نقاب اور حجاب کے لیے درخواست لکھ کر انتظامیہ سے اجازت لینی پڑے گی۔
* فرانس نے مسلمان عورتوں کے عبایا پہننے پر پابندی لگادی۔ خلاف ورزی پر سزا ہوگی۔
* میکسیکو نے سڑکوں پر اور پبلک مقامات پر زنا کی اجازت دے دی۔ قانون بنادیا ہے کہ اس پر کوئی روک ٹوک نہیں ہوسکتی۔ [پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک اور پیشین گوئی پوری ہوگئی کہ قیامت سے پہلے شاہراہوں پر کھلے عام زنا ہوگا]۔
* سوئٹزلینڈ نے مسلم خواتین کے نقاب اوڑھنے پر پابندی لگادی اور اس کے خلاف قانون بنادیا۔

---

[1] The Times London, July 1899

تعلیم و تربیت　　　پروفیسر عاصم حفیظ

پنجاب میں سرکاری تعلیمی اداروں کی پرائیوٹائزیشن

ریاست کس طرح تعلیم کا بوجھ اتار رہی ہے؟

تعلیمی اداروں کی پرائیوٹائزیشن کا ایک بار پھر چرچا ہے۔ ہزاروں ادارے اس پالیسی کی نذر ہو رہے ہیں لیکن یہ کوئی پہلی مرتبہ نہیں۔ حکومت گزشتہ کئی سالوں سے اس پالیسی پر گامزن ہے جس کے تحت سرکار تعلیم کا بوجھ اتار رہی ہے۔ کبھی این جی اوز کے نام پر اور کسی فلاحی ادارے کی آڑ میں تعلیمی اداروں کی لوٹ سیل جاری ہے۔ آیئے اس صورتحال کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ پرائیوٹائزیشن، کمرشلائزیشن سے مراد کیا ہے؟ سیلف فنانس کے تحت تعلیمی اداروں میں کیا ہو رہا ہے اور کس طرح تعلیم دن بدن غریب اور متوسط طبقے سے بہت دور جبکہ مڈل کلاس کے لیے بھی مشکل ترین ہو چکی ہے؟ پرائیوٹ ایجوکیشن مافیاز کس قدر مضبوط ہیں اور پالیسی سازی میں کیا کردار ادا کر رہے ہیں؟

سب سے پہلے یونیورسٹیوں کو دیکھیے۔ لاہور کے معروف ادارے ایف سی کالج اور کنیرڈ کالج محکمہ تعلیم سے لے کر ’فلاحی اداروں‘ کے حوالے کیے گئے۔ آج ان کی فیسیں کسی بھی پرائیوٹ ادارے سے کہیں زیادہ ہیں۔ اربوں کی پراپرٹی سمیت اب یہ ادارے کسی کے لیے آمدنی کا ذریعہ ہیں۔ ایچ ای سی کے فنڈز محدود کر دیئے گئے ہیں اور یونیورسٹیوں کو کہا گیا ہے کہ اپنی آمدن بڑھائیں۔ پنجاب یونیورسٹی اور دیگر سرکاری جامعات جو میرٹ پر غریب اور متوسط طبقے کے لیے دستیاب تھیں، اب ان کی مارننگ کلاسز کی فیسیں فی سمسٹر چالیس ہزار روپے سے زائد ہیں۔ جامعات کو سیلف فنانس پروگرامز کو فروغ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ بی اے۔ بی ایس سی کے بعد شروع ہونے والے پانچویں سمسٹر کے پروگرامز مارننگ میں دستیاب ہی نہیں ہیں اور صرف ایوننگ میں سیلف فنانس کے طور پر شروع کیے گئے ہیں جن کی فیس ساٹھ ہزار روپے فی سمسٹر سے زائد ہے۔ سرکاری جامعات نے الحاق شدہ کالجوں کے لیے امتحانی فیسوں میں بھی دو سے تین ہزار روپے فی امتحان اضافہ کر کے کروڑوں کا ریونیو اکٹھا کیا ہے۔ پالیسی یہ ہے کہ یونیورسٹیاں صرف تیس فیصد بجٹ سرکار سے لیں باقی فیسوں میں

اضافے ،سیلف فنانس پروگرامز، کمرشل سرگرمیوں اور دیگر ذرائع سے حاصل کریں۔

سرکاری تعلیمی اداروں کا دوسرا حصہ کالجز ہیں ۔گزشتہ سات سال میں درجنوں کالجز کو یونیورسٹی کا درجہ دے کر اس سیکٹر کو محدود کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے یونیورسٹی بنتے ہی کالجز کا بجٹ محکمہ تعلیم نہیں دیتا بلکہ سیلف فنانس اور کمرشلائزیشن پالیسی کے تحت وہ خود ہی جنریٹ کرتی ہیں۔ اسی طرح کالجز میں بھی مارننگ کے ساتھ ساتھ ایوننگ پروگرامز کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے۔کالجز ابھی تک کم فیس کے تحت مارننگ پروگرامز کرا رہے ہیں لیکن ان کے بارے میں اگلا پراجیکٹ بڑے کالجز کو یونیورسٹی کا درجہ دینا جبکہ چھوٹے کالجوں کا انتظامی اختیار یونیورسٹیوں کو دے کر ان کے ماتحت بنانا ہے۔اس طرح کالجوں میں بھی کم فیسوں میں تعلیم ختم ہوجائے گی اور ان کا فیس سٹرکچر بھی یونیورسٹیوں جیسا ہوجائے گا۔

تیسرا سیکٹر سکولوں کا ہے۔سب سے زیادہ تجربات اسی پر ہو رہے ہیں کیونکہ مجبوری یہ ہے کہ قانون کے تحت میٹرک تک مفت تعلیم دینا حکومت کا فرض ہے۔اس سیکٹر کے حوالے سے کئی آپشنز تشکیل دیے گئے ہیں۔ پنجاب کے سرکاری سکول اس وقت ایک کروڑ بیس لاکھ بچوں کو پڑھا رہے ہیں۔ اساتذہ کی تعداد تین لاکھ اڑتیس ہزار ہے۔حکومت نے گزشتہ سات سال سے کوئی ایک بھی استاد بھرتی نہیں کیا جس سے لاکھوں آسامیاں خالی پڑی ہیں خصوصا پرائمری ایجوکیشن کی حالت اساتذہ کی کمی کے باعث انتہائی خراب ہے۔اب اس کو جواز بنا کر یعنی جب ٹیچرز ہی دستیاب نہیں تو یقینا طلباء کی تعداد کم ہوگی ایسے چار ہزار سکولوں کو سات سال قبل مختلف این جی اوز کے حوالے کر دیا گیا تھا۔اب دوبارہ 4500 سکولز دیئے جا رہے ہیں۔ حکومت ان سکولوں کو چلانے کے لیے فی سٹوڈنٹ ان این جی اوز کو ادا کرتی ہے۔یعنی حکومت مستقل ٹیچرز بھرتی کرنے کی بجائے یہ سکول اپنی قیمتی بلڈنگز سمیت فلاحی اداروں کے نام پر مَن پسند افراد کے حوالے کر رہی ہے جو کہ انتہائی کم تنخواہ پر ٹیچرز رکھ کر خوب نفع کما رہے ہیں۔ بڑے سکولوں کے بارے میں نئی پالیسی یہ ہے کہ انہیں ماڈل قرار دے کر ایک اتھارٹی کے حوالے کیا جا رہا ہے۔آگے جا کر معیار کے نام پر ڈویژن پبلک سکولوں کی طرح ان سکولوں میں بھی بھاری فیسیں نافذ کر دی جائیں گی۔المیہ یہ ہے کہ سرکاری سکول جنہیں پرائیوٹ مافیا کے حوالے کیا جا رہا ہے ان میں سے نوے فیصد کی زمینیں مقامی لوگوں نے اپنے بچوں کی تعلیم

کے لیے عطیہ کیں تھیں، بلڈنگز بنا کردیں اور کلاس رومز سمیت دیگر سہولیات فراہم کیں۔ اب ان سکولوں کو پرائیوٹ کر کے کسی کے لیے کمائی کا ذریعہ بنایا جارہا ہے۔ اس کا ایک المناک پہلو سرکاری سکولوں میں مستقل ملازمین کا خاتمہ بھی ہے۔ اب پرائیوٹ مافیا یہاں مرضی کی معمولی تنخواہوں پر نوجوانوں کو بھرتی کریں گے، جب چاہا نکال دیا اور اس طرح ملک کے لاکھوں نوجوان یہ عارضی نوکریاں کرنے پر مجبور ہوں گے۔ کوئی تحفظ بھی نہیں۔ اس طرح حکومت تنخواہوں وغیر کی مد میں اربوں روپے کی بچت کرلے گی۔

اسی طرح سرکاری اساتذہ کرام کے لیے پنشن، لیو انکیشمنٹ (Leave Encashment) سمیت دیگر مراعات میں کٹوتی اور کئی یکسر ختم کی جارہی ہیں۔ محکمہ تعلیم کے ملازمین کی تنخواہیں پہلے ہی دیگر محکمہ جات کے مقابلے میں کافی کم ہیں۔ گویا ریاست فیصلہ کرچکی ہے کہ تعلیم کا بوجھ آہستہ آہستہ اتار دیا جائے گا۔ تعلیم کا شعبہ پرائیوٹ سیکٹر کے حوالے ہوگا، جو افورڈ کرسکے پڑھے یا اَن پڑھ رہ کر سرمایہ داروں کا خدمت گزار بنے۔ دوسری جانب سرکاری تعلیمی ادارے جو موجود ہیں انہیں کمرشلائزیشن اور سیلف فنانس پالیسی کے تحت اتنا مہنگا کردیا جائے کہ حکومت کو اس مد میں کچھ بھی خرچ نہ کرنا پڑے۔ مستقل ملازمین کی بھرتی کی بجائے ڈیلی ویجز اور عارضی بنیادوں پر ٹیچرز دستیاب ہوں۔ اس طرح حکومت تعلیم کے شعبے کا خرچہ بچا کر دیگر محکموں کو نوازنے میں خرچ کرسکے۔

یہ صرف سڑکوں پر مار کھاتے، تشدد برداشت کرتے اور جیلوں میں بند سرکاری اساتذہ کا مسئلہ نہیں۔ یہ دراصل اس ملک کے ۸۰ فیصد سے زائد متوسط، غریب اور لوئر مڈل کلاس عوام کا مسئلہ ہے جن کی اولادوں کے لیے تعلیم کے دروازے بند کئے جارہے ہیں۔ شعبۂ تعلیم میں مستقل سرکاری ملازمتیں ختم کی جارہی ہیں۔ اربوں کی سرکاری پراپرٹی، تعلیمی اداروں کی عمارتوں اور سہولیات کو مَن پسند سرمایہ داروں کے حوالے فلاحی اداروں کے نام پر کیا جارہا ہے جو عوام کے عطیات، سرکاری فنڈز، عوامی ٹیکسوں سے بنے ان اداروں سے مستفید ہوں گے اور اربوں کی آمدن کمائیں گے۔ آیئے اپنے بچوں کے مستقبل کا سوچیں۔ انہیں مہنگی تعلیم لینا ہوگی اور ملازمت کا ملنا ناممکن ہوجائے گا۔ اس میں سب سے اہم سوال صرف اتنا ہے کہ سرکار پھر ٹیکس کس کے لیے اکٹھا کرتی ہے؟ کیا صرف چند طاقتور محکموں کی عیاشی اور مخصوص طبقات کو نوازنے کے لیے؟ حکمرانوں کے شاہانہ اخراجات پورے کرنے کے لیے؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔

تفہیمِ دین

ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ علم اور اہل علم پر ان کے اثرات

علم اشیاء کی حقیقتوں کو جاننے، اپنے اندر شعور و آگہی پیدا کرنے، اپنی اور اپنے خالق و مالک کی معرفت حاصل کرنے کا نام ہے۔ علم اس صلاحیت کا نام ہے جس کے نتیجہ میں بحث وجستجو، دریافت و انکشاف کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور صاحب علم کی فکر و نظر میں مسلسل وسعت و گہرائی پیدا ہوتی ہے، اس میں استدلال و استنباط کی صلاحیت وقوت پیدا ہوتی ہے، نتیجتاً صاحب علم معاشرہ میں موجود انتظامی وسیاسی اقتدار رکھنے والی قوتوں کی تعمیر وارتقاء کی جانب رہنمائی کرتے ہیں۔ ان کی کوتاہیوں اور غلطیوں کی نشان دہی کر کے ان پر مدلل انداز میں تنقید کرتے ہیں۔

علم اللہ تعالیٰ کی ایک نمایاں صفت ہے، اس نے ساری کائنات کی تخلیق اپنے علم کی بنیاد پر فرمائی۔ وہ اس کائنات میں موجود ہر ہر چیز کے بارے میں کلی علم رکھتا ہے:

- ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ﴾ [الحج ۲۲:۷۰]

''کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان میں موجود ہر چیز کو جانتا ہے۔''

- ﴿اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۳۸﴾ [فاطر ۳۵:۳۸]

''یقیناً اللہ تعالیٰ ارض وسماء میں پوشیدہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ وہ سینوں میں چھپے بھیدوں کو بھی جانتا ہے۔''

- ﴿اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝۱۲﴾ [الطلاق ۶۵:۱۲]

''بے شک اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔''

علم کا حقیقی مصدر و ماخذ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، وہی ہر چیز کا خالق ہے۔ اس نے کائنات کی

ہر چیز کو اپنے علم اور اندازے کے مطابق بنایا ہے، اسی لیے وہ اپنی مخلوق کو ہر ہر زاویہ سے جانتا ہے، ان کے باطنی احوال کو بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور ان کے ظاہری پہلو بھی اس پر عیاں ہیں۔

انسان اس دنیا میں بطور عبد آیا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں عبدیت کا شعور فطری طور پر رکھا ہے۔ ہر انسان کو شعور عبدیت کی قدر کرنا چاہیے یہ شعور جس قدر مضبوط ہوگا بندے کا اپنے خالق و مالک کے ساتھ تعلق بھی اسی قدر مستحکم ہوگا۔ شعور عبدیت ہی وہ قوت ہے جو انسان کو غلط راستوں اور برائیوں کے ارتکاب سے روک کر خیر و معروف اور احسان کے کاموں کی طرف راغب کرتا ہے، نیز شعورِ عبدیت ہی انسان میں موجود شر کی قوت کو کنٹرول کرتا ہے۔ شر کی قوت کو اگر قابو میں نہ رکھا جائے تو بہت سے امراضِ قلبیہ پیدا ہو سکتے ہیں جو نہ صرف فرد کی تباہی کا سبب ہوتے ہیں بلکہ معاشرہ میں فساد بھی برپا کرتے ہیں، باطنی امراض میں سب سے بڑی بیماری تکبر ہے یہ قلب کی بیماریوں میں ام الامراض کہلاتا ہے جو اور بہت سی بیماریوں کا سبب ہوتا ہے مثلاً ریا، نفاق، بغض و حسد اور تعصب جیسی مہلک بیماریاں تکبر کی وجہ سے جنم لیتی ہیں۔

عبد مومن جب اپنے شعور عبدیت کو مستحکم کرتا ہے تو امراض قلبیہ سے دل صاف ہوتا ہے اور قلب مؤمن عبادات قلبیہ سے معمور ہوتا ہے، عبادات قلبیہ میں سب سے اہم صفت اخلاص ہے، یہ صفت بھی بہت سی اعلیٰ صفات پیدا کرتی ہے، مثلاً تواضع، تقوی، صبر و شکر، سخاوت وغیرہ۔

شعورِ عبدیت کو اجاگر کرنے اور مذکورہ اعلیٰ صفات کو اپنانے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک علم اور دوسرے ذاتِ علیم وخبیر کے ساتھ تعلق۔ یہ سبق ہمیں پہلی وحی سے ملتا ہے جہاں بندے کو اپنے رب کے ساتھ تعلق رکھ کر پڑھنے اور علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (۱)

اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت اور اس تک رسائی کا راستہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے ادراک ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں ایک اہم ترین صفت علیم ہے۔ قرآنِ حکیم نے

---

(۱) ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ [العلق ۹۶:۱] پڑھیے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے تمہیں وجود بخشا۔

اس صفت کو بہت کثرت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ﴿۱﴾

اللہ تعالیٰ نے اپنا تعارف اپنی مختلف صفات کے ذریعہ کرایا ہے، صفت علم کے ذریعہ تعارف اس طرح کرایا ہے:

- ﴿إِنَّ اللَّهَ عَٰلِمُ غَيْبِ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُۥ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴾
[فاطر ۳۵:۳۸]

''یقیناً اللہ تعالیٰ ارض وسماء میں پوشیدہ ہر چیز کو جانتا ہے اور بے شک دلوں میں چھپے بھیدوں اور رازوں کو بھی جانتا ہے۔''

- ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰٓ إِلَى السَّمَآءِ فَسَوَّىٰهُنَّ سَبْعَ سَمَٰوَٰتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾ [البقرۃ ۲:۲۹]

''وہی اللہ ہے جس نے تمہارے لیے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں موجود ہے پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا تو ٹھیک سات آسمان بنائے، وہی ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔''

تخلیق کائنات اور تسخیر کائنات والی آیات انسانوں کو تمام علوم فطرت اور علوم طبعی کی جانب متوجہ کرتی ہیں، ان میں جہاں انسانوں کے لیے تعمیر وترقی کا سامان موجود ہے وہیں خالقِ کائنات کے وجود اور اس کی قدرت کے دلائل بھی موجود ہیں۔

اس مقالہ میں ہمارا مقصد اللہ تعالیٰ کی صفت علم کا مطالعہ کرنا ہے، خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے وہ صفاتی نام جو علم الٰہی کی وسعت وجامعیت کو بیان کرتے ہیں۔ اسماء حسنیٰ میں سب سے نمایاں صفت تو علیم ہی ہے لیکن بعض دیگر صفاتی نام بھی ہیں جو علم الٰہی کی وسعت پر دلالت کرتے ہیں، مثلاً الخبیر یعنی وہ ہستی جو اشیا، ان کے حالات وواقعات اور ظاہر وباطن سے پوری طرح باخبر ہو۔ امام راغبؒ لکھتے ہیں: الخبیر اَی عالمٌ ببوَاطِنِ اُمُوْرِکُمْ یعنی خبیر وہ ہے جو معاملہ کی حقیقت سے واقف ہو۔ ﴿۲﴾

﴿۱﴾ صفتِ علیم قرآن حکیم میں ۱۵۷ مرتبہ مذکور ہے، لفظ علیم کو ان آیات کے سیاق وسباق میں مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے، تبھی علم کی اہمیت اور علیم کی عظمت کا اندازہ ہوسکے گا۔

﴿۲﴾ راغب الاصفہانی، مفردات الفاظ القرآن، ص ۲۷۳

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے عائلی احکام کو وضاحت کے ساتھ بیان فرما کر اپنی صفت خبیر کو ذکر فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ [البقرۃ۲: ۲۳۴] (اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے)۔ عائلی احکام خاندانی نظام کو بہتر بنانے کے لیے دیے گئے ہیں۔ شوہر اور بیوی کے درمیان پیش آنے والے واقعات اگرچہ راز ہوتے ہیں، باہر کے لوگ ان معاملات سے واقف نہیں ہوتے، لیکن شوہر و بیوی کو اس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان کے تمام معاملات سے باخبر ہے، اور وہ اس کے سامنے جواب دہ ہیں۔ یہ احساس ان کی خاندانی زندگی کے ماحول کو بہتر بنانے اور باہمی معاملات بہتر طریقہ پر انجام دینے میں مؤثر ہوتا ہے۔[1]

البصیر بھی اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے علم مشاہدہ پر دلالت کرتا ہے۔ یہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کے لیے بہت کثرت سے آیا ہے، کبھی سمیع کے ساتھ مل کر اور کبھی خبیر کے ساتھ اور کبھی تنہا:

- ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ [البقرۃ۲: ۲۳۳]
"لوگو! اللہ کا تقوی اختیار کرو، اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔"

- ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ [الحدید۵۷: ۴]
"تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہوتا ہے، اور وہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔"

سورہ حدید کی اس آیت مبارکہ میں تخلیق کائنات اور کائنات پر اپنی قدرت و اقتدار کو بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح کر دی کہ اس کائنات میں ذرہ برابر بھی جو کچھ حرکت ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتی ہے، اور تم بھی جو کچھ عمل کرتے ہو سب کچھ اس کی نظر میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی یہ صفت اپنے بندوں کے ساتھ تعلق میں استعمال ہوئی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی نافرمانیوں سے تنگ آ کر فرماتے ہیں:

---

[1] گھر یا خاندان ایک ادارہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں نہ صرف افراد خاندان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہوتا ہے بلکہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ان کی تعمیر کردار و شخصیت کا اہتمام بھی ہوتا ہے، لہٰذا گھر کا ماحول خوشگوار اور پرسکون ہونا چاہیے۔

- ﴿وَاُفَوِّضُ اَمۡرِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ﴾ [غافر ۴۰:۴۴]

’’میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔‘‘

عربی زبان کی فصاحت و بلاغت پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ عباد کا لفظ جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو اس میں رحم اور عفو و درگزر کا مفہوم مضمر ہوتا ہے۔ (۱)

بصیرت کا لفظ بطور صفت انسانوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اس سے مراد انسانی قلب میں موجود قوتِ مدرکہ ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

- ﴿قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِىۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىۡ ؕ﴾

[یوسف ۱۲:۱۰۸]

’’اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجیے کہ یہی (دین) میرا راستہ ہے، مَیں اور میری پیروی کرنے والے اس دین کی دعوت مکمل اطمینانِ قلب اور شرح صدر کے ساتھ دیتے ہیں۔‘‘

شرح صدر اور اطمینانِ قلب کا تعلق علم سے وابستہ ہے، جب انسان کو علم میں رسوخ حاصل ہوتا ہے تو اس کے قلب میں یقین کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اس کیفیت کو پیدا کرنے اور مستحکم رکھنے کے لیے مسلسل علم کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسان زندگی کے کسی بھی حصہ میں علم سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ طلوع ہونے والے ہر دن کے ساتھ علوم کے نئے نئے در کھلتے ہیں انہیں سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے، جو قوم نئی دریافت اور نئے علوم سے بے نیاز ہوتی ہے وہ فکری طور پر جمود بلکہ موت کا شکار ہو جاتی ہے، اگر کوئی قوم اور اس کے اہل علم اس جمود سے نکلنے کے لیے کوئی جدوجہد اور کاوش نہیں کر رہے ہیں تو اندیشہ ہے کہ وہ قوم زوال کا شکار ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی مندرجہ بالا دونوں صفتیں خبیر اور بصیر قرآن حکیم میں پانچ مقامات پر ایک ساتھ وارد ہوئی ہیں، تین مرتبہ سورہ الاسراء میں اور ایک ایک مرتبہ سورہ فاطر اور سورہ شوریٰ

---

(۱) ویقال لقوۃ المدرکہ بصیرہ، الاصفہانی، راغب، مفردات الفاظ القرآن، ص ۱۲۷؛
دیکھیے: وما أنا بظلام للعبید [ق ۵۰:۲۹] اسی طرح عبادنا [الکھف: ۶۵] کونوا عبادا لي [آل عمران ۳:۷۹] عباد الرحمن [الفرقان ۲۵:۶۳]

میں۔[۱] ان آیات مبارکہ کے مطالب کو ان کے سیاق وسباق میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کہیں تو سابقہ اقوام کی نافرمانیوں اور سرکشی کی بنا پر عذاب کا ذکر فرما رہے ہیں، کہیں انسانی نفسیات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ جب انسان کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوتی ہے تو وہ سرکشی پر اتر آتا ہے، کہیں اللہ تعالیٰ اپنی عظمت وقدرت کو بیان کرتے ہیں اور کہیں انبیاء علیہم السلام پر نزولِ وحی کی حقانیت پر اصرار ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کا قاری جب ان مضامین کو غور وفکر کے ساتھ پڑھتا ہے تو یہاں اللہ تعالیٰ کی صفات خبیر وبصیر کے ادراک سے اس کے قلب میں خشیتِ الٰہی کی خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے، یہ اندیشہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کہیں خوف کی شدت کی وجہ سے کچھ لوگوں میں یاس وناامیدی کی کیفیت نہ پیدا ہوجائے۔ اس کیفیت کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے پانچوں مقامات پر عباد کی نسبت اپنی طرف کرکے بہت لطیف اسلوب اختیار فرمایا ہے:

- ﴿وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا﴾ [الاسراء۱۷:۱۷]

"آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر ہے وہ دیکھ رہا ہے۔"

آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بہت لطیف اسلوب اختیار فرمایا ہے کہ رب کی اضافت رسول کی طرف کی جو رحمۃ للعالمین ہیں اور عباد کی نسبت اپنی جانب کی جو ارحم الراحمین ہیں، اس آیت مبارکہ میں اشارہ سورہ زمر کی اس آیت کی طرف بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ انتہائی لطف وکرم کا اظہار فرمایا ہے:

- ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ [الزمر۳۹:۵۳]

"آپ میرے ان بندوں سے کہہ دیجیے جنھوں نے اپنے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا، وہ سارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، بے شک وہی ذات تو مغفرت کرنے والی اور رحم کرنے والی ہے۔"

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے ضمناً اللہ تعالیٰ کی ان صفات کو بیان کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی

---

[۱] دیکھیے: الاسراء۱۷:۱۷، ۳۰، ۹۶؛ فاطر۳۵:۳۰؛ الشوریٰ۴۲:۲۷

صفات علم ہی کی وضاحت کرتی ہیں، اس مقالہ میں ہمارا اصل ارتکاز اللہ تعالیٰ کے نام "علیم" پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں یہ وہ صفاتی نام ہے جو بہت کثرت سے وارد ہوا ہے۔ قرآن حکیم میں ایک سو ستاون جگہوں پر صفت "علیم" بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت نہ صرف یہ کہ علم کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہے بلکہ وہ اہل علم جو ذاتِ علیم کے ساتھ تعلق رکھ کر علم حاصل کرتے ہیں ان کے فہم و کردار پر بھی گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت علیم اکثر بعض دیگر اسما حسنیٰ کے ساتھ مل کر بھی آتی ہے، لیکن تنہا بھی خوب استعمال ہوئی ہے، قرآن کریم میں پندرہ مقامات پر صاف الفاظ میں فرمایا ہے:

- ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ [البقرۃ ۲:۲۹]
"اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتے ہیں۔"

عام طور پر یہ الفاظ یا تو وہاں آئے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات کو بیان کرتا ہے یا جہاں معاشرتی معاملات سے متعلق احکام بیان فرماتا ہے۔[1] اسی طرح وراثت کے احکام بیان کرتے ہوئے ان الفاظ میں لوگوں کو متنبہ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں، لہٰذا وراثت کے معاملہ میں کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرنا۔[2] کہیں اللہ تعالیٰ اپنی عظمت و قدرت کو بیان کر کے فرماتا ہے کہ وہ تو سب کچھ جانتا ہے۔[3]

اللہ تعالیٰ کی صفت "علیم" کے ساتھ مل کر اور بھی بہت سے اسماء صفات قرآن حکیم میں وارد ہوئے ہیں، ان اسماء صفات کو ان کے سیاق و سباق میں مطالعہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی صفت علم کے مختلف پہلوؤں کا کچھ نہ کچھ ادراک ضرور ہوتا ہے۔ صفت "علیم" کے ساتھ دو اسماء حسنیٰ کا استعمال بہت زیادہ ہوا ہے۔ ان میں ایک اللہ تعالیٰ کی صفت "سمیع" ہے یہ صفت علیم کے ساتھ متصلاً بتیس جگہوں پر آئی ہے، سمیع کی صفت ہر جگہ علیم پر مقدم ہے، ان آیات میں سولہ مقامات پر "السمیع العلیم" اور سولہ مقامات پر "سمیع علیم" ہے۔

---

[1] دیکھیے: البقرۃ ۲: ۲۸۲، یہاں باہمی لین دین اور قرض کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔

[2] النساء ۴: ۱۷۶

[3] الانعام ۶: ۱۰۱؛ الشوریٰ ۴۲: ۱۲

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو حصول علم کے جو وسائل (Tools) عطا فرمائے ہیں، ان میں سماعت ایک اہم ذریعہ علم ہے، سورہ نحل میں ارشاد ہے:

۔ ﴿وَاللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَيۡـــًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَـكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ‌ ۙ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ۝۷۸﴾ [النحل۱۶:۷۸]

’’اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بطن مادر سے باہر کی دنیا میں تمہیں لایا، تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، لیکن اس نے تمہیں قوت سماعت، بصارت اور قلب وعقل عطا فرمائی، تاکہ تم اس کے شکر گزار بندے بنو۔‘‘

آیت مبارکہ صراحتاً اس بات کی طرف رہنمائی کر رہی ہے کہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے سمع وبصر اور عقل وفکر کی جو صلاحیت عطا فرمائی ہے وہ بہت بڑی نعمت ہے، ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کا تقاضا ہے کہ حصولِ علم نافع کے لیے ان کو خوب اچھے انداز سے استعمال کیا جائے۔ علم منتشر انداز میں تھوڑا تھوڑا دنیا بھر کے لوگوں میں پھیلا ہوا ہوتا ہے، لہٰذا اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ حکمت ودانائی کی بات جہاں سے ملے اسے سوچ سمجھ کر قبول کریں۔ علم میں اضافہ اسی طرح ممکن ہے۔ ہر معاشرہ میں تھوڑے بہت اہل علم، دانشور اور مصلح موجود ہوتے ہیں، ان کی باتیں غور سے سننے، سمجھنے اور سمجھ کر عمل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ گھریلو مکتب میں بچے اپنے والدین کی ہدایات کو سنتے ہیں، ان کی عملی زندگی کا مشاہدہ کرتے ہیں، مدرسہ وسکول، کالج وغیرہ میں اپنے اساتذہ سے علمی گفتگو سنتے ہیں اور اپنے علم میں اضافہ کرتے ہیں، عدالت میں موجود قاضی یا جج فریقین کی بات غور سے سنتا ہے، ان کے وکیلوں کے دلائل اور اٹھائے نکات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ مقدمہ کی سماعت کے دوران جو علم حاصل ہوتا ہے اس کی بنیاد پر وہ فیصلہ کرتا ہے۔

ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ علم اللہ تعالیٰ نے تھوڑا تھوڑا تقسیم کیا ہوا ہے، لہٰذا حصولِ علم میں کوئی جھجھک نہیں ہونا چاہیے، نہ ہی اس میں عمر کی کوئی قید ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کے سامنے جب علمی گفتگو فرماتے تو صحابہ کرامؓ مختلف زاویوں سے سوالات بھی کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے جوابات عنایت فرماتے۔ اسی طرح ذہین طلبہ اپنے اساتذہ

کا خطاب سن کر اپنے علم و ذہانت کے مطابق سوالات اٹھاتے ہیں، طلبہ کے اٹھائے ہوئے سوالات اساتذہ کے غور وفکر کے دائرے کو وسیع کرتے ہیں۔ اساتذہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ طلبہ کے سوالات کو سنجیدگی سے سنیں اور علمی انداز میں جواب دے کر انہیں مطمئن کریں۔

معاشرہ کے اجتماعی نظم میں ایک دوسرے کی بات کو تحمل اور سنجیدگی کے ساتھ سننا اور ایک دوسرے کو علم کی بنیاد پر مطمئن کرنا علمی وسعت کے لیے ضروری ہے، ابلاغ اور تعلیم کا یہ دائرہ اسلام میں بہت وسیع ہے۔ اگر کسی معاشرہ میں لوگ ایک دوسرے کی بات صبر و تحمل سے سننا چھوڑ دیں، علم کی بات اور دلیل کو اہمیت نہ دیں تو معاشرہ نہ صرف یہ کہ جمود کا شکار ہو جاتا ہے بلکہ معاشرہ میں تفرقہ اور فساد پھیلنے لگتا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ علم تک رسائی کا ذریعہ سماعت کسی صورت کمزور نہیں ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ اپنے علم کے لیے ان ذرائع کا محتاج نہیں، وہ اپنے بندے کی آہ بکا، اور پکار دعا سے پہلے ہی جانتا ہے اور اپنے بندے کے حالات و کیفیت سے خوب واقف ہے، مگر پھر بھی اپنے بندے کی دعا کو سنتا ہے، اسے قبول بھی کرتا ہے۔ انسان نہ صرف ان ذرائع کا محتاج ہے بلکہ وہ پابند ہے کہ اپنی ان صلاحیتوں کو بہتر طریقہ پر استعمال کر کے اپنے علم میں وسعت و گہرائی پیدا کرے بلکہ اپنے دور میں دریافت ہونے والے نئے نئے علوم وفنون سے بھی استفادہ کرے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت کے دروازے انہی لوگوں کے لیے کھولتا ہے جو بات کو غور سے سنتے ہیں پھر جو بات زیادہ بہتر ہوتی ہے اسے قبول کرتے ہیں۔[1] گویا وہ نہ صرف یہ کہ اپنی سماعت کا بہتر استعمال کرتے ہیں بلکہ اپنی عقل وفہم کو استعمال کر کے صحیح نتیجہ بھی اخذ کرتے ہیں اور جو بات حق کے مطابق ہو اسے قبول کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت العزیز ہے، یہ صفاتی نام بھی علیم پر مقدم آیا ہے اور قرآن حکیم میں چھ مقامات پر "العزیز العلیم آیا ہے۔ العزیز اکثر العلیم کے ساتھ متصلاً ان مقامات پر آیا ہے جہاں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور کائنات میں اپنی حکومت واقتدار کو بیان فرماتے ہیں، تین جگہوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت بیان کر کے فرمایا:

---

[1] الزمر ۳۹:۱۸

- ﴿ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾ [الانعام ۹۶:۶، یٰسین ۳۸:۳۶، فصلت ۱۲:۴۱]

''یہ سب اللہ تعالیٰ کے (مقرر کردہ) اندازے ہیں جو بہت عزت و اقتدار کا مالک ہے اور صاحب علم ہے۔''

یہاں تقدیر کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوا ہے، اس کلمہ سے یہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت مطلقہ مراد ہے، لہٰذا اگر ترجمہ اس طرح کیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ ''یہ سب اللہ تعالیٰ کا منصوبہ ہے جو غالب و باعزت بھی ہے اور صاحب علم بھی۔''

وہ تمام آیات جن میں ''العزیز العلیم'' آیا ہے، ان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق، کائنات میں اس کا حکم و اقتدار، انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے وحی کا نزول سب کچھ اس کے علم کے مطابق ہے، کائنات کے تمام نظم و نسق کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا وسیع علم کارفرما ہے۔ ان آیات میں انسانوں کے لیے یہ رہنمائی موجود ہے کہ اپنے تمام باہمی معاملات، ملکی نظم و نسق اور بین الممالک تعلقات، معاشرتی، معاشی مسائل کو حل کرنے کے لیے علم کو بنیاد بنائیں، خاص طور پر وہ علم جو ذات عزیز و علیم کی جانب سے انسانیت کی ہدایت کے لیے نازل کیا گیا۔[1] علم کے بغیر عمل اور اختیارات کا استعمال غلطیوں کا سبب بن سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت الخلاق ہے، یہ صفت بھی العزیز کی طرح العلیم سے پہلے آتی ہے۔ قرآن حکیم میں دو مقامات پر "الخلاق العلیم" آیا ہے۔ سورہ الحجر میں اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کو بیان کرنے کے بعد قیامت کا ذکر کیا ہے اور واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ قیامت آ کر رہے گی۔ یہ سب ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

- ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ﴾ [الحجر ۸۶:۱۵]

(بے شک آپ کا رب خوب پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے)۔

اللہ تعالیٰ جو کچھ پیدا فرماتا ہے اس کے بارے میں مکمل علم بھی رکھتا ہے، کائنات کی ہر چیز اس کے علم کے مطابق ہی وجود میں آئی۔ سورہ یٰسین کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت

---

[1] دیکھیے: النمل ۷۸:۲۷، غافر ۲:۴۰، الزخرف ۹:۴۳

کا تذکرہ زمین و آسمان کی تخلیق اور ماءِ مہین سے انسان کی پیدائش کے ذکر کے ساتھ کیا ہے، پھر اپنی خلاقیت کا ذکر اس انداز سے کیا ہے:

- ﴿بَلٰى ۚ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ﴾ [یٰسین ۸۱:۳۶]

جی ہاں! کیوں نہیں! وہ تو بہت بڑے پیمانہ پر پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ تخلیق کے سارے عمل کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا وسیع و لامحدود علم ہے۔

خلق اور تخلیق اپنے حقیقی مفہوم کے لحاظ سے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے، اس لیے کہ کسی چیز کو بغیر مثال اور بغیر نمونہ کے، بغیر خام مواد کے عدم سے وجود بخشنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے، اللہ تعالیٰ کے تخلیقی عمل میں نہ کوئی اور شریک ہوسکتا ہے، نہ ہی کسی چیز کو عدم سے وجود بخش سکتا ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو علم، عقل و فراست عطا فرمائی ہے وہ انہیں استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ بہت سی نعمتوں کو دریافت کرسکتا ہے، اشیا کے خواص کو جان کر انسانیت کے لیے ان کا بہتر استعمال بتا سکتا ہے، نیز وہ یہ بھی کرسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ خام مواد کو استعمال کر کے انہیں مختلف مفید مصنوعات کی صورت میں پیش کرے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل و ذہانت کے ذریعہ استدلال و استنباط کر کے اپنے مستقبل کے لیے مناسب منصوبہ بندی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ان تمام صلاحیتوں کو انسان اسی وقت صحیح طور پر استعمال کرسکتا ہے جب وہ علم سے آراستہ ہو۔ قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق علم کو عملی زندگی میں ڈھالنا ضروری ہے، جب علم عمل کی صورت اختیار کرتا ہے تو انسان کو تجربہ حاصل ہوتا ہے، اور تجربہ مزید علم و ذہانت میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔ جب انسان اپنے علم کو عملی تجربات میں ڈھالتا ہے، عقل و فراست کو استعمال کر کے استدلال و استنباط سے کام لیتا ہے تو وہ معاشرہ کو نئے نئے مفید تصورات و افکار سے آشنا کراتا ہے جس کے نتیجہ میں نہ صرف نئی نئی مصنوعات وجود میں آتی ہیں بلکہ تنظیم معاشرہ کے لیے بھی بہتر اصول و ضوابط مرتب ہوتے ہیں اور انسانی معاشرہ ارتقائی مراحل طے کرنے لگتا ہے۔ (جاری ہے)

ڈاکٹر محمد افضل بابر [1]

تعلیم و تربیت

یوم اساتذہ
اساتذہ کی پیشہ وارانہ تربیت اور لائسنسنگ

شیخِ مکتب ہے اک عمارت گر
جس کی صنعت ہے روحِ انسانی

یومِ اساتذہ ایک اہم موقع ہے جو معاشرے کے مستقبل کی تشکیل میں اساتذہ کی انمول شراکت کو مانتا ہے۔ ایک مثالی اُستاد طالب علم کے سیکھنے کے سفر میں تحریک اور راہنمائی کا ایک مینار ہوتا ہے۔ اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو اُستاد کی حیثیت، اہمیت اور مقام مسلّم ہے۔ اُستاد ہی قوم کے نوجوانوں کو علوم وفنون سے آراستہ و پیراستہ کرتا اور اس قابل بناتا ہے کہ وہ ملک وقوم کی گراں بار ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ اساتذہ روحانی والدین کا درجہ رکھتے ہیں اور یہ پیشہ اپنانا دراصل سنتِ نبوی ﷺ کی پیروی کے مصداق ہے کیونکہ ہمارے نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ "میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

ہر سال اقوام عالم کے ساتھ 5 اکتوبر کو مادرِ وطن میں بھی عالمی یومِ اساتذہ منایا جاتا ہے اس سال بھی جب میں یہ کالم لکھ رہا ہوں تو میرے سامنے کچھ دعوت نامے اس دن کے پروگراموں کے ہیں۔ ماضی کی طرح اس بار بھی سلام ٹیچرز، واک، سیمینارز اور دیگر تقریبات ہوں گی لیکن حاصل کیا ہوگا؟ یہ نہ پہلے کبھی ہمیں معلوم ہوا اور نہ ہی اب کوئی جامع پروگرام ہے۔ اگر ہم پیشۂ تدریس کا دیگر پیشوں سے ہلکا سا تقابل کر لیں تو شاید بات سمجھنا مزید آسان ہو جائے گا۔ پیشۂ تعلیم میں استاد ہونا ایسا ہی ہے جیسا پیشۂ قانون میں وکیل ہونا۔ اسی طرح صحت میں ڈاکٹر و حکیم ہیں تو پاکستان میں ایک وکیل اپنی پیشہ وارانہ تعلیم مکمل کر کے باقاعدہ اپنی بار کونسل سے پریکٹس کے لیے لائسنس حاصل کرتا ہے جو کہ ایک خاص مدت کے بعد تجدید بھی کروایا جاتا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹرز اور حکیم بھی اپنی پیشہ وارانہ تعلیم کے بعد میڈیکل کونسلز

[1] مرکزی صدر پرائیویٹ سکولز نیٹ ورک، اسلام آباد

سے لائسنس حاصل کر کے پریکٹس کے اہل قرار پاتے ہیں۔اب جبکہ اساتذہ کے پیشے کے لیے 4 سالہ ڈگری پروگرام (پیشہ وارانہ تعلیم) کا ہائر ایجوکیشن نے نافذ کیا ہوا ہے اور اس پر پورے پاکستان میں ڈگریاں بھی دی جارہی ہیں تو ان پیشہ وارانہ تعلیم کے حامل افراد کی ٹیچنگ پریکٹس سے پہلے ٹیچرز کونسلز کا قیام عمل میں لایا جانا چاہیے تھا جو ان کی لائسنسنگ کرتا۔پچھلے دس سالوں میں پرائمری اور ایلیمنٹری ٹیچرز (پی ٹی سی اور سی ٹی) کی تربیت کے پروگرام بند ہوئے تو کیا ان تمام ٹیچر ایجوکیشن کے اداروں کو موجودہ ڈگری پروگرامز پر شفٹ کیا گیا؟اسی طرح کیا ٹیچر ریکروٹمنٹ کے قوانین میں اصلاحات لائی گئیں؟ ایسا ہرگز کوئی اصلاحاتی پروگرام ہماری نظر سے نہیں گزرا۔وفاقی اور صوبائی سطح پر اب جتنے اساتذہ کی بھرتیوں کے اشتہارات شائع ہورہے ہیں ان میں بھی کسی قسم کی یکسانیت نہیں ہے جس سے صاف ظاہر ہورہا ہے کہ اس مقدس پیشے کے ساتھ جان بوجھ کر کھلواڑ کیا جارہا ہے تاکہ ہمارے انسانی سرمائے کو دنیا کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ بنایا جاسکے۔

مادرِوطن میں اس وقت تقریباً تین لاکھ نجی تعلیمی اداروں میں 30 لاکھ اساتذہ کارِتدریس میں مصروف ہیں۔سرکاری، نیم سرکاری، مدارسِ دینیہ اور غیر رسمی تعلیمی اداروں کا بھی اسی کے قریب ڈیٹا ہے۔ان تمام اساتذہ کی پیشہ وارانہ مہارتوں کی بات کی جائے تو درجنوں نہیں سینکڑوں کیٹگریز بن جائیں گی۔لہٰذا تمام پیشوں کی طرح اس پیشے کی اہمیت کو جانتے ہوئے سب سے اہم کام ٹیچرز ٹریننگ اور ٹیچرز لائسنسنگ ہے جس پر تمام اسٹیک ہولڈرز کو سر جوڑ کر لائحہ عمل بنانا ہوگا۔اساتذہ کے فورمز کو از سرِ نو ترتیب دے کر ان کی نمائندگی ہر سطح پر یقینی بنائی جائے۔اس پیشے کی اہمیت کو عالمی معیار پر لانے کے لیے وہ تمام فیصلے کیے جائیں جن سے اُستاد کے ذریعے نسلِ نو کی اعلیٰ سطحی تعلیم وتربیت کا اہتمام ہوسکے۔

اس دن کی مناسبت سے ایک اور اہم پہلو پر بھی بات کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔اساتذہ کے استحصال میں نجی، سرکاری و نیم سرکاری منتظمین کا ایک بہت بڑا طبقہ شریک ہے جس پر بھی بات ہونی چاہیے۔اس سلسلے میں کم آمدنی والے نجی تعلیمی ادارے تو اس دور کے ماڈل خواندگی مراکز ہیں جو حکومتوں کے پیدا کردہ گیپ کو اپنی مدد آپ کے تحت پورا کرتے ہوئے ایک طرف پاکستان کے اربوں روپے بچا رہے ہیں۔(بقیہ صفحہ نمبر:۴۱)

تعلیم و تربیت پروفیسر عاصم حفیظ

قرآن حکیم کی تعلیم سے نالاں یونیورسٹیوں کا کردار

اسلامیات والوں کو تعلیمی اداروں سے نکال دو

اب اسلامیات اور قرآن پاک کی لازمی تعلیم کے لیے اساتذہ کی خدمات نہیں لی جائیں گی۔ بہانہ بنایا گیا ہے بجٹ کی کمی کو لیکن اصل مسئلہ کہاں ہے یہ سب جانتے ہیں۔ قائداعظم یونیورسٹی سیکولر روایات رکھتی ہے۔ ہولی اور دیوالی مناتی ہے۔ وہاں اسلامیات والوں کا کیا کام؟ قانون میں تبدیلی تو فی الحال کر نہیں سکتے کہ اسلامیات لازمی مضمون ہے۔ حل یہ نکالا ہے کہ اساتذہ کی بھرتی اور جز وقتی تعیناتی روک دی جائے۔ کچھ حلقوں کو یہ پسند نہیں کہ یہ اسلامیات والے، قرآن مجید پڑھانے والے ''مولوی'' تعلیمی اداروں میں نظر آئیں۔ سٹوڈنٹس کو لیکچر دیں اور بچے ان سے مستفید ہوں۔ قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد کے رجسٹرار نے وائس چانسلر کی منظوری سے ایک نوٹیفکیشن جاری کیا ہے جس کے تحت سمسٹر خزاں 2023ء میں بی۔ایس لیول پر پڑھائی جانے والی اسلامیات لازمی کو باقاعدہ اساتذہ کرام کی بجائے آن لائن موڈ کے ذریعے پہلے سے ریکارڈ شدہ لیکچرز طلبہ کو دکھائے جائیں گے۔

اس سے پہلے یونیورسٹی آف ویٹرنری سائنس اور دیگر کئی جامعات قرآن پاک کی تعلیم کے پیپر ختم کر چکی ہیں۔ یعنی فی الحال پڑھایا تو جا رہا ہے لیکن امتحان نہیں ہوتا جس سے طلباء کی دلچسپی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ جب امتحان ہی نہیں ہونا تو کسے ٹینشن ہے پڑھنے کی۔

کہا جا رہا ہے کہ یہ اقدام ہائیر ایجوکیشن کمیشن کی آشیرباد سے فنڈز کی کمی کے سبب اٹھایا جا رہا ہے۔ کتنا سادہ بہانہ ہے۔ بجٹ اور معاشی مسائل۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آیا فنڈز کی کمی صرف قرآن پاک کی تعلیم اور اسلامیات کے مضمون کے لیے ہے؟

یہ پہلا مرحلہ ہے۔ بہانہ موجود ہے۔ بہت جلد اسلامیات کو بطور مضمون نصاب سے خارج کرنے میں مددگار ثابت ہوگا۔ قائداعظم یونیورسٹی اولین مثال بنے گی اور اس کو دیکھ کر دیگر تعلیمی ادارے بھی اسلامیات اور قرآن پاک کی تعلیم سے دستبردار ہو جائیں گے زیادہ سے زیادہ ویڈیو لیکچرز۔ دیکھیں یا نہ دیکھیں ااور امتحان بھی نہیں ہوگا۔ بہانہ بڑا مضبوط ہے۔ بجٹ

کی کمی۔اور بس مسئلہ حل

پہلے حفظِ قرآن کے نمبرز ختم کر دیئے گئے اور اب اس اقدام سے اسلامیات پڑھنے والوں کے لیے ملازمت کے مواقع بھی ختم کئے جا رہے ہیں۔ظاہری بات ہے جس شعبے میں ملازمت ختم ہو جائے گی تو اس کی طرف رجحان ختم ہو جائے گا۔دوسری جانب سندھ اور دیگر اداروں میں میوزک ٹیچرز بھرتی کئے جا رہے ہیں۔وسائل بھی دستیاب ہیں اور آلات موسیقی بھی خرید کر دیئے جا رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت سے نوازیں۔

بقیہ:مغربی تہذیب ایک دلدل ہے

۱۲۔ یہ گزارشات آفاقی نہیں ہیں، دور حاضر و موجود کے اعتبار سے وقتی اور جزوی تجاویز ہیں، جنہیں ہم escape strategy بھی کہہ سکتے ہیں، اس سٹریٹجی کا آخری درجہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔مفہوم یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب فتنے اتنے بڑھ جائیں کہ ایمان بچانا ممکن نہ رہے تو اپنی بھیڑ بکریوں کو لے کر پہاڑوں اور جنگلوں میں نکل جاؤ جہاں پانی ملے وہیں پر رہو اور اللہ کی عبادت کرتے رہو۔مَیں یہ نہیں کہہ رہا کہ ابھی ہماری یہ سٹریٹجی ہونی چاہیے بلکہ میں اس جیسی چند سٹریٹجیز کا ذکر کر رہا ہوں جو اس سے ہلکی اور آسان ہیں۔اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔

بقیہ:عصرِ حاضر میں احیائے اسلام

۱۔ قرآن وسنت کی روشنی میں فرد کی جامع اور متوازن تعمیرِ شخصیت اور انسان سازی کو بنیادی اہمیت دی جائے۔اس کے لیے تعلیم وتزکیہ اور ذرائع ابلاغ کی اصلاح اور ان کا صحیح استعمال ناگزیر ہے۔اسلام وقرآن کی طرف رجوع اور مغرب کے سحر سے نکلنا ہمارا ماٹو ہونا چاہیے۔

۲۔ تعمیرِ فرد کے نتیجے میں معاشرے اور ریاست کی اسلامی تشکیل کی جائے۔مغربی فکروتہذیب کے جال سے نکل کر اسلام کے معاشرتی، سیاسی، معاشی، تعلیمی، عدالتی....نظام کی اسلامی تشکیل نو کی جائے۔اہلِ علم اس پر فکری کام کریں اور اہل عمل اس پر عمل کی کوشش کریں۔

۳۔ مسلم معاشرے میں برداشت اور یکجہتی کو فروغ دیا جائے۔عوام اور حکمرانوں میں فاصلے کم کرنے کی کوشش کی جائے اور امت کے اتحاد کو ہدف بنا کر کام کیا جائے۔

تفہیم دین　　　پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

عصرِ حاضر میں احیائے دین-سیرت النبی کی روشنی میں

سبزہ زار لاہور میں سیرت کانفرنس سے مدیر البرہان کا خطاب

سیرت النبی کے اتباع میں افراد کی تعمیرِ سیرت و کردار ہی بنیادی کام ہے اور اصلاحِ معاشرہ و ریاست کا انحصار بھی اسی پر ہے

مسلم امہ کے سامنے اس وقت دو بڑے چیلنج ہیں۔ایک یہ کہ وہ زوال سے کیسے نکلے اور دوسرے یہ کہ وہ مغرب کی الحادی فکر و تہذیب اور اس کے علمبردار ممالک کی اسلام اور مسلم دشمنی سے بچ کر دوبارہ غلبۂ اسلام کی منزل تک کیسے پہنچے؟ ان دو سوالوں کا جواب ڈھونڈنے کے لیے جب ہم قرآن حکیم کی طرف رجوع کرتے ہیں تو قرآن ہماری اس معاملے میں یہ رہنمائی فرماتا ہے کہ ان مسائل کا حل اتباعِ رسول میں ہے۔قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

- ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴾[الاحزاب ۳۳:۲۱]

''تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ سے ملنے کا اور آخرت کے دن کا فکرمند ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہو۔''

- ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾[آل عمران ۳:۳۱]

''اے نبی ﷺ! آپ ان لوگوں سے کہیں کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا۔ اللہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔''

- ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾[النساء ۴:۶۵]

’’پس اے نبی ﷺ! آپ کے ربّ کی قسم! ایسے لوگ بھی ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک وہ اپنے تمام باہمی جھگڑوں میں آپ ﷺ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو فیصلہ آپ ﷺ فرمائیں اس پر وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ دل وجان سے اسے تسلیم کرلیں۔‘‘

معلوم ہوا کہ اتباعِ رسول ہی میں ہمارے سارے مسائل کا حل ہے اور اسی کی طرف ہمیں رجوع کرنا چاہیے۔

دوسری جانب اگر ہم سیرت النبی پر غور کریں اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ نبی کریم ﷺ اتنا بڑا انقلاب لانے میں کیسے کامیاب ہوئے کہ اتنا بڑا انقلاب دنیا میں کوئی نہیں لا سکا یا دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے قرآن مجید کے ذریعے آپ ﷺ کی کیا رہنمائی فرمائی؟ اور آپ کو کیا طریق کار بتایا؟ اس غرض سے جب ہم قرآن حکیم کا مطالعہ کریں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس غرض سے آپ کو تعلیمِ کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفس کا فارمولا عطا فرمایا ہے۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد فرمایا:

۔ ﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾[البقرہ۲:۱۵۱]

’’جیسا کہ ہم نے تمہارے درمیان ایک رسول (ﷺ) بھیجا ہے جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، تمہارا تزکیہ کرتا ہے، کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور ایسی باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔‘‘

یہی بات دوسرے مقامات پر تین دفعہ فرمائی (البقرہ ۲: ۱۲۹، آل عمران ۳: ۱۶۴، الجمعہ ۶۲: ۲)

تلاوت کرنا یعنی پڑھنا تعلیم وتدریس ہی کا حصہ ہوتا ہے لہٰذا اگر ہم اسے مختصر کردیں تو یہ بنتا ہے تعلیمِ کتاب وحکمت اور تزکیہ یا تعلیم وتربیت یا دعوت واصلاح۔ تعلیم میں دینی تعلیم اور دنیاوی تعلیم دونوں شامل ہیں اور دعوت وتبلیغ اور ذرائع ابلاغ (جسے ہم آج کل پرنٹ،

الیکٹرانک اور سوشل میڈیا کہتے ہیں) سب عصرِ حاضر میں تعلیمِ کتاب وحکمت کا حصہ بنتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دور کے ذرائع ابلاغ سے کام لے کر افراد کی تعمیر سیرت کی اور ایسے بہترین افراد تیار کیے جو قرآن کو مطلوب تھے۔ انہی افراد کو ساتھ ملا کر اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت سے آپ نے معاشرے کی اصلاح کی اور مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ گویا اسلامی انقلاب کی بنیاد اور اس کی اصل قوت وطاقت وہ افراد تھے جو آپ نے تیار کیے اور افراد سازی یا انسان سازی یعنی افراد کی تعمیر سیرت وکردار ہی وہ اصل کام ہے جو آپ نے کیا اور اسی کے ثمرات آپ کو اسلامی معاشرے اور اسلامی ریاست کی صورت میں ملے کیونکہ معاشرہ افراد ہی سے مل کر بنتا ہے اور ریاست کو بھی افراد ہی چلاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی قرار دیا اور قیامت تک کے لیے قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی۔ آپ کے دین کو قیامت تک کے لیے قابل عمل بنایا اور اسے بین الاقوامی حیثیت عطا کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پچھلے ساڑھے چودہ سو سال سے دنیا میں مسلمان بھی موجود ہیں اور مسلم معاشرے اور ریاستیں بھی۔

مسلمان اس وقت تک عروج پر رہے جب تک ان کا نظام تعلیم وتزکیہ اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں انسان سازی کرتا رہا اور ایسے افراد تیار کرتا رہا جو صحابہ کی طرح صاحبِ ایمان اور صاحبِ کردار تھے لیکن جب انہوں نے یہ کام چھوڑ دیا اور ان میں ایسے افراد پیدا ہونے بند ہو گئے جو قرآن کو مطلوب تھے اور جو اسلامی تعلیمات پر کماحقہ عمل کرنے والے تھے تو مسلمانوں میں ہمہ نوع انحطاط پیدا ہو گیا اور امت کا زوال شروع ہو گیا اور اس کے حریف اور دشمن اہل مغرب نے انہیں غلام بنالیا۔ اس غلامی کے دوران اس نے انہیں فکری غلام بھی بنایا، ان کا نظام تعلیم و تربیت بھی بدل ڈالا اور ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اپنی الحادی تہذیب کے مطابق ڈھال دیا اور وہ آج بھی مغرب کے فکری اور عملی غلام ہیں۔

حل کیا ہے؟

اس صورتِ حال کا حل سیرۃ النبی کی روشنی میں یہ ہے کہ:

۱۔ ہم اپنے نظام تعلیم وتزکیہ کو بدلیں تاکہ وہ صاحبِ ایمان اور صاحبِ صلاحیت وکردار افراد پیدا ہونا شروع ہوجائیں جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیار کیے تھے۔اس کے لیے ناگزیر ہے کہ ہم اپنے نظام تعلیم وتزکیہ کو اسلامی تقاضوں کے مطابق ڈھالیں اور اسے مغرب کی الحادی فکر وتہذیب کے چنگل سے نکالیں۔

۲۔ پھر یہ افراد اپنے معاشرے کو بھی بدلیں اور اس کی اصلاح کریں۔

۳۔ یہی لوگ اپنی ریاست کو بھی بدلیں اور اس کی اصلاح کریں اور اسے اسلامی اصولوں پر چلا کر دکھائیں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چلائی تھی۔

جہاں تک ہماری دینی قوتوں کا تعلق ہے تو مذکورہ دو چیلنجز کے حوالے سے ان کی حکمت عملی زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئی۔اگر ہم سیرۃ النبی کی روشنی میں ان کے اختیار کردہ مناہج کا جائزہ لیں اور تجزیہ کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ:

i۔ دینی اصلاحی تحریکوں (تبلیغی جماعت اور دعوت اسلامی) وغیرہ کا تصورِ دین جزوی اور ناقص رہا ہے، وہ فرد کی متوازن اور جامع تربیت نہیں کر پائیں اور اجتماعی زندگی کے تقاضوں سے انہوں نے اعتناء نہیں کیا۔

ii۔ اسی طرح دینی مدارس مسجد اور مدرسہ کے لیے افراد تو پیدا کرتے ہیں لیکن انہوں نے عصری علوم وافکار پر توجہ نہیں دی اور ایسے افراد تیار نہیں کیے جو معاشرے اور ریاست کو اسلامی خطوط پر چلانے میں ممد ومعاون ہوتے یا جدید حالات ومعاملات میں عوام کی اسلامی حوالے سے رہنمائی کرپاتے۔

iii۔ جو لوگ تصوف اور تزکیۂ نفس کے داعی تھے انہوں نے سجادہ نشینی کو تعلیم وتزکیہ کی بجائے نوٹ اور ووٹ کا ذریعہ بنائے رکھا اور لوگوں کا صحیح تزکیہ اور تربیت جو ان کا طرۂ امتیاز تھا، اس سے غافل ہوگئے۔

iv۔ اسی طرح سیاسی میدان میں ہماری دینی سیاسی جماعتیں صرف سیاسی جدوجہد کرتی رہیں اور عوام کی اصلاح وتربیت کرکے انہیں اچھا مسلمان بنانے، ان کے اندر دین کی پیاس

اور تڑپ پیدا کرنے اور انہیں اپنا ہم خیال بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکیں۔ نہ وہ اپنی فرقہ واریت چھوڑ کر متحد ہو سکیں اور نہ ملک میں شریعت نافذ کر سکیں۔

بحیثیت مجموعی ہماری دینی قوتیں مغرب زدہ سیکولر سیاسی اور فوجی حکمرانوں، اشرافیہ، جدید مغرب زدہ نظام تعلیم اور مغربی اقدار کو فروغ دینے والے میڈیا (پرنٹ، الیکٹرانک اور سوشل) کی اصلاح کرنے میں ناکام رہی ہیں۔ وہ عوام و خواص کو مغرب کی الحادی فکر و تہذیب سے بچانے اور اسلام و مسلم دشمن مغربی قوتوں کی سازشوں کے خلاف بیدار کرنے میں بھی کامیاب نہیں ہو سکیں۔

ہماری رائے میں آپ ﷺ کی یاد منانے کا صحیح طریقہ اور آپ سے محبت کا دعویٰ کرنے کا حقیقی تقاضا یہ ہے کہ ہم آپ ﷺ کی اتباع کریں، آپ کی دی ہوئی تعلیمات پر عمل کریں، آپ کی پیروی میں انسان سازی کا کام کریں اور ایسے افراد تیار کریں جو قرآن کو مطلوب ہیں۔ یہ افراد قرآن و سنت کی تعلیمات پر اپنی زندگی میں عمل کریں اور پھر معاشرے اور ریاست کو بھی اسلامی اصولوں کے مطابق بدل ڈالیں۔

ظاہر ہے کہ جب تک ہم خود نہ بدلیں گے تو معاشرہ کیسے بدلے گا؟ معاشرہ تو افراد سے مل کر بنتا ہے لہٰذا افراد کی تبدیلی سے ہی معاشرے میں تبدیلی ممکن ہے لہٰذا ہمیں مغرب کی الحادی فکر و تہذیب کی پیروی سے جان چھڑانا ہوگی۔ میرا اور آپ کا یہی کام ہونا چاہیے کہ اس اصول پر پہلے اپنی اصلاح کریں پھر اپنی اولاد کی اور اہل خانہ کی اور پھر معاشرے اور ریاست کی اصلاح میں مقدور بھر اپنا اپنا حصہ ڈالیں تاکہ اسلام پھر غالب آجائے۔ اس کے غالب آنے کا نبوی منہاج یہی ہے کہ یہ پہلے ہمارے اندر غالب آئے۔ اس کے نتیجے میں ہی یہ معاشرے اور ریاست میں غالب آسکتا ہے۔ مغربی فکر و تہذیب کی پیروی کر کے اور اس کے مطابق افراد تیار کر کے اور اس کی طرح کا معاشرہ اور ریاست قائم کر کے ہم اپنی راہ تو کھوٹی کر سکتے ہیں، کامیاب نہیں ہو سکتے کہ بقول اقبال؂

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

تفہیمِ دین

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

عصرِ حاضر میں احیائے اسلام

پچھلی ایک صدی کی کوششوں کا جائزہ اور نئی حکمت عملی کی ضرورت

[مجلس فکر ونظر، جس کے کنوینر مدیر البرہان ہیں، ۵ نومبر ۲۰۲۳ء کو فلیٹیز ہوٹل لاہور میں اس موضوع پر ایک سیمینار منعقد کر رہی ہے (ان شاء اللہ)۔ یہ سیمینار کے مرکزی خیال کا تعارفی خاکہ ہے۔ ادارہ]

* پچھلی صدی میں امت مسلمہ کو دو بڑے چیلنج درپیش تھے۔ ایک یہ کہ زوال سے کیسے نکلیں اور دوسرے یہ کہ مغرب کی الحادی فکر وتہذیب اور اس کی علمبردار مغربی قوتوں کی اسلام اور مسلم دشمنی سے نمٹتے ہوئے غلبۂ اسلام کی راہ کیسے ہموار کریں۔

* اس ضمن میں امت کو دو بڑی کامیابیاں ملیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کی جدوجہد، اہل یورپ کے باہم جنگوں میں لڑ کر کمزور ہونے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت سے اکثر مسلم ممالک کو آزادی ملی۔ اور افغانستان کے مسلمانوں نے مسلسل قربانیاں دے کر جہاد کیا اور باری باری وقت کی دونوں سپر پاورز کو شکست دی جس کے نتیجے میں سوویت روس زوال پذیر ہوا اور وسط ایشیا کی مسلم ریاستیں اس کے چنگل سے آزاد ہوگئیں۔ امریکی شکست نے اس کے اور اس کی سائنس وٹیکنالوجی کے ناقابل شکست ہونے کے تصور کو شدید مجروح کیا اور اب وہ بھی روبہ زوال ہے۔

* زوال سے نکلنے اور مغرب کی الحادی فکر وتہذیب کے حوالے سے ہمارے حکمرانوں اور دانشوروں کا رویہ عموماً مایوس کن رہا ہے اور ان کی اکثریت مغرب کے سحر سے نہیں نکل پائی اور نہ مثبت انداز میں اسلام کی طرف رجوع پر مائل ہوئی ہے۔ عوام کی اکثریت جہالت وغربت کے اندھیروں سے نہیں نکل سکی اور اصلاح وتعمیر کا زیادہ تر بوجھ دینی قوتوں کے کندھوں پر رہا ہے۔ دینی قوتوں نے اصلاحی وتبلیغی تحریکیں بھی چلائیں اور تعلیمی بھی۔ سیاسی جدوجہد بھی کی اور تزکیۂ نفس کے لیے بھی کوشاں رہے۔ بلاشبہ ان کی کاوشوں کے کچھ مثبت نتائج بھی نکلے لیکن مذکورہ دو چیلنجز سے نمٹنے کے حوالے سے ان کی جدوجہد زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئی۔ ان کے اسباب کی طرف ہم مختصراً اشارہ کیے دیتے ہیں:

۱۔ دینی اصلاحی و تبلیغی جماعتوں کا تصورِ دین عموماً ناقص رہا ہے۔ وہ فرد کی جامع اور متوازن تعمیرِ سیرت نہیں کر سکیں اور انہوں نے معاشرے اور ریاست کو اسلامی بنانے کو ہدف ہی نہیں بنایا۔

۲۔ تعلیمی تحریکیں ثنویت کے چنگل سے نہیں نکل سکیں۔ دینی مدارس چند مذہبی علوم کی اپنے اپنے مسلک کے مطابق تعلیم دیتے ہیں اور فرقہ واریت کو فروغ دیتے ہیں۔ انہوں نے دنیاوی علوم کی تعلیم کو اپنا ہدف بنایا ہی نہیں۔ جدید تعلیم مغرب زدہ ہے اور انہوں نے اسے اسلامی بنانے کے لیے کوئی کوشش نہیں کی۔ یوں علم و تحقیق کی اسلامی تشکیلِ نو کے لیے کوئی سنجیدہ کوشش نہیں ہو سکی، نہ ملت میں رجوع الی القرآن کا ذوق پروان چڑھ سکا اور نہ مغربی فکر و تہذیب کے تنقیدی مطالعے کی کوئی روش جڑ پکڑ سکی۔

۳۔ دینی سیاسی جماعتیں اس لیے کامیاب نہ ہو سکیں کہ انہوں نے مغرب کی کافرانہ جمہوریت کو اس میں چند لفظی اسلامی تبدیلیاں کر کے اسے 'اسلامی جمہوریت' قرار دے کر قبول کر لیا اور اسی کے اندر رہ کر نفاذ شریعت کی کوشش کی۔ انہوں نے گراس روٹ پر جدوجہد کر کے عوام کو اچھا مسلمان اور اپنا ہم خیال بنانے کی سنجیدہ جدوجہد نہ کی۔ نیز فرقہ وارانہ کشمکش کی وجہ سے وہ متحد بھی نہ ہو سکیں۔ ان امور کے نتیجے میں انہیں زیادہ کامیابی نہ ملی۔

۴۔ تزکیۂ نفس کے حلقے عموماً دورِ متاخرین کے تصوف کی خرابیوں سے نہیں نکل سکے اور تزکیہ کے نام پر سجادہ نشینی حبّ جاہ و مال اور نوٹ اور ووٹ کے دائرے سے نہیں نکل سکی۔

اس صورتِ حال کے نتیجے میں نہ فرد کی جامع اور متوازن انداز میں تعمیر شخصیت ہو سکی اور نہ معاشرے اور ریاست کی اسلامی تشکیل کے لیے مؤثر انداز میں اقدامات کیے جا سکے۔ نہ عوام و خواص اسلام کے لیے آگے بڑھ سکے اور نہ مغرب کی الحادی فکر و تہذیب کے سحر سے نکل سکے۔ الٹا مغرب نے پلٹ کر وار کیا۔ عراق اور افغانستان کو تباہ کیا، شام اور یمن کچلے گئے اور اکثر مسلم ممالک اس کے شدید دباؤ میں ہیں اور اتحاد امت کی بہت سی کوششیں سبوتاژ ہو چکی ہیں۔

حل کیا ہے؟

موجودہ صورتِ حال کو جوں کا توں قبول نہیں کیا جا سکتا اور حکمت عملی پر نظر ثانی ناگزیر ہے۔ نئی حکمت عملی کے رہنما خطوط مندرجہ ذیل ہو سکتے ہیں: (بقیہ صفحہ نمبر: ۲۵)

تفہیم دین/مکالمہ　　　　مدیر

غلبۂ دین کا متبادل منہاج

ہمارے مؤقف پر قارئین کے اشکالات واعتراضات کا جواب

پسِ منظر

اگست ۲۰۲۳ء کے البرہان میں ہم نے سود کے حوالے سے ایک مختصر مضمون لکھا کہ جماعت اسلامی، تنظیم اسلامی اور دیگر علماء کرام انسدادِ سود کے حوالے سے پارلیمنٹ اور عدالتوں کے ذریعے جو جدوجہد پچھلے پچاس سال سے کر رہے ہیں وہ آئندہ طویل برسوں تک نتیجہ خیز ہوتی نظر نہیں آتی اور ہم نے ان سے درخواست کی تھی کہ اپنے منہاج پر نظر ثانی کریں کہ موجودہ سیکولر اور لبرل قومی جمہوری ریاست کے اداروں (پارلیمنٹ اور عدالتی نظام) کے ذریعے غلبۂ دین کا مقصد حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر ستمبر کے البرہان میں ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری صاحب نے اپنے انگریزی مقالے میں ہمارے مؤقف پر تنقید کی اور لیاقت بلوچ صاحب نے اپنے جماعتی سیاسی مؤقف پر اصرار کیا۔ جس کے جواب میں ہم نے اسی شمارے میں تفصیل سے اپنا مؤقف پیش کیا کہ ماضی میں مسلمانوں نے کس منہاج کے تحت غلبہ وعروج حاصل کیا تھا اور آج بھی اس کا وہی طریقہ ہے کہ پہلے تعلیم وتزکیہ سے فرد کو بدلا جائے اور یہی بدلا ہوا فرد معاشرے اور ریاست کو بھی اسلامی تقاضوں کے مطابق تبدیل کر دے گا۔ اس پر ہمارے قارئین میں سے پروفیسر عبدالخالق سہریانی (سندھ)، رضی الدین سید (کراچی) اور تصور حسین صاحب (حافظ آباد) نے ہمارے مؤقف پر اشکالات اور اعتراضات اٹھائے جو اکتوبر کے البرہان میں شائع ہوئے۔ فکری لحاظ سے دیکھا جائے تو اوّل الذکر دونوں مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی فکر سے وابستہ ہیں اور انہوں نے غلبۂ دین کے 'سیاسی منہاج' کی باندازِ نو وکالت کی ہے جبکہ تصور حسین صاحب نے اپنے تئیں ہمارے 'دعوتی منہاج' کی حمایت کی ہے۔

ہمارے نزدیک چونکہ بات فکری اور اصولی ہے اور ہمارے ذکر کردہ اصول معاشرے

میں مروج 'سیاسی منہاج' اور 'دعوتی منہاج' کے فکری چوکھٹے میں فِٹ نہیں بیٹھتے لہٰذا ہماری بات ان منہاجوں کے متبعین کی سمجھ میں نہیں آتی لہٰذا ہم فروعی تفصیلات کی بجائے ایک دفعہ پھر، باندازِ دگر، اپنا اصولی مؤقف قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اگر یہ متعلقہ احباب کی سمجھ میں آ گیا تو فبہا ورنہ فریقین اپنی اپنی رائے پر قائم رہتے ہوئے اپنی دینی سرگرمیاں جاری رکھ سکتے ہیں۔

اوّل الذکر دونوں احباب کے بارے میں ہم نے عرض کیا کہ وہ مولانا مودودی کی فکر سے متاثر ہیں۔ مولانا مودودی بلاشبہ ہمارے عہد کے ایک نامور مفکر تھے جنہوں نے بہت سے ذہنوں کو متاثر کیا۔ مولانا کی فکر کے دو پہلو ہیں (یاد رہے کہ بات یہاں سے شروع ہوئی تھی کہ عصر حاضر میں یعنی پچھلی ایک صدی میں مسلم مصلحین و مفکرین کو دو چیلنج درپیش تھے: ایک زوال سے کیسے نکلا جائے اور دوسرے مغرب کی الحادی [ہیومنسٹ، سیکولر، لبرل اور کیپٹلسٹ] فکر و تہذیب اور اس کے علمبردار مغربی ممالک کی اسلام اور مسلم دشمنی سے بچ کر غلبہ دین کے لیے کام کیسے کیا جائے)۔ ایک: یہ کہ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کے لیے مسلمانوں کو سیاسی غلبے کی ضرورت ہے۔ ایک حقیقی اسلامی ریاست ہو جو غلبہ دین کے لیے کام کرے (اقامت دین کا نظریہ)۔ دوم: یہ کہ اس سیاسی غلبے اور قیامِ ریاست اسلامی کا طریقہ یہ ہے کہ 'اسلامی جمہوریت' (مغربی جمہوریت میں کچھ اسلامی اصول داخل کر کے اسے مشرف بہ اسلام کرنے کے بعد) کے اندر رہ کر سیاسی جدوجہد کی جائے۔

روایتی علماء کرام اور ان کی جماعتوں/تحریکوں نے مولانا مودودی کی پہلی رائے یعنی اقامت دین کے نظریے کو ردّ کر دیا لیکن دوسری رائے کو بالواسطہ طور پر قبول کر لیا۔ ہماری رائے میں مولانا کے علو مرتبت اور دینی خدمات کے باوجود ان کے یہ دونوں اجتہاد صحیح نہ تھے۔ پہلا مغرب کی الحادی فکر و تہذیب کے غلبے کے خلاف ردّعمل کی نفسیات پر مبنی تھا اور دوسرا اس سے مرعوبیت کا مظہر۔

مولانا مودودی کے مؤقف کا خلاصہ یہ ہے کہ سارے انبیاء سیاسی اقتدار کے لیے کام کرتے تھے اور آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی سیاسی جدوجہد کر کے مدینہ میں اسلامی

ریاست قائم کی جو غلبۂ اسلام کا سبب بنی لہٰذا آج مسلمانوں کا ہدف بھی یہی ہونا چاہیے کہ وہ سیاسی جدوجہد کر کے ایک حقیقی اسلامی ریاست قائم کریں۔

اس کے مقابلے میں جمہور علماء کا اور ہمارا مؤقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کو مبعوث فرماتے ہیں تا کہ وہ حق کی تبلیغ کریں اور لوگوں تک اللہ کی ہدایت پہنچائیں۔ انہیں توحید وآخرت کا درس دیں تا کہ وہ عبادت واطاعت کو اللہ کے لیے خالص کر لیں اور کفروشرک سے باز آجائیں۔ اگر لوگ ان کی بات مان لیں تو وہ معاشرے کی اصلاح کرتے ہیں اور ریاست قائم کرتے ہیں ورنہ وہ دعوت وانذار کا کام کرتے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو جاتے ہیں کہ لوگوں کو زبردستی ہدایت دینا ان کی ذمہ داری نہیں ہوتی۔ اس کا انحصار اللہ کی مشیت پر اور لوگوں کی صلاحیتِ قبولِ حق پر ہوتا ہے۔ لہٰذا صحیح حدیث میں آتا ہے کہ کئی انبیاء قیامت میں حاضر ہوں گے اور ان کے ساتھ صرف ایک یا دو یا چند آدمی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے کہ اس نے ہر قوم میں رسول بھیجے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی لیکن قرآن حکیم ان میں سے صرف حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے اقتدار کا ذکر کرتا ہے یا دعوت واصلاح کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیاسی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی انتظامی جدوجہد کا ذکر کرتا ہے ورنہ قرآن وسنت سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ سارے انبیاء جتھے بنا کر اقتدار حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے تھے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی بنانے کا فیصلہ کیا لہٰذا ان کی دعوت کی تکمیل کے لیے ان کو دعوتی اور سیاسی دونوں لحاظ سے کامیاب کرنے کا فیصلہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی نصرت نے آپ کو کامیاب کیا اور آپ کو تعلیم وتزکیہ کے ذریعے تعمیر واصلاحِ فرد، اصلاحِ معاشرہ اور قیامِ ریاستِ اسلامی کی توفیق عطا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو معاشرہ اور ریاست قائم کی وہ پچھلے ساڑھے چودہ سو سال سے تسلسل سے قائم چلی آرہی ہے لہٰذا امت کے علماء ومصلحین کا کام یہ ہے کہ وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ذریعے افراد کو سچا مسلمان بنائیں اور ان کے ذریعے معاشرے اور ریاست کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق بنانے کی کوشش کریں۔

جمہور علماء کے اس مؤقف کی رو سے مسلمانوں کی اصلاح کا بنیادی طریقہ تعلیم کتاب وحکمت وتزکیۂ نفس ہے اوراس کے ذریعے افراد کی تعمیرِ سیرت کر کے ان کے ذریعے اصلاح معاشرہ وریاست ہے۔ لیکن مولانا مودودی نے اس کے برعکس سیاسی جدوجہد کے ذریعے قیامِ ریاستِ اسلامی کو مسلمانوں کا ہدف اور نصب العین قرار دیا اور یوں غلبۂ دین کو سیاست اور سیاسی جدوجہد تک محدود کر دیا۔ ان کا یہ مؤقف مغربی تہذیب کے غلبے اور مغرب کی طاقتور ریاستوں کی بالادستی کا ردّ عمل تھا۔

پھر دوسرا مؤقف انہوں نے یہ اختیار کیا کہ سیاسی جدوجہد برائے قیامِ ریاستِ اسلامی کو مغرب کی اس الحادی فکر وتہذیب کی پیداوار مغربی جمہوریت تک محدود کر دیا جسے وہ خود ماضی میں کفر اور جاہلیت خالصہ قرار دے چکے تھے، اس معمولی پیچ ورک کے بعد کہ اس میں کاغذی طور پر کچھ اسلامی اصول داخل کر دیے۔ ظاہر ہے مغرب کی غالب الحادی تہذیب، اس کے علمبردار طاقتور مغربی ممالک کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور ان کے مقامی ایجنٹ مسلمان حکمرانوں کی وجہ سے یہ برائے نام 'اسلامی جمہوریت' کلیتاً مغرب کی ہیومنسٹ، سیکولر، لبرل، کیپٹلسٹ جمہوریت ہی کی ایک شکل بن گئی ہے۔ اس جمہوریت کے ذریعے پچھلی ایک صدی میں کسی اسلامی ملک میں اسلام نافذ نہیں ہوا، پاکستان میں بھی نہیں ہوا اور ہو بھی نہیں سکتا لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہماری یہ بات ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتی جنہوں نے دین کو صرف مولانا مودودی کی فکر سے سمجھا ہے۔ کیونکہ دین کی مین سٹریم فکر کا انہوں نے قرآن وسنت یا مسلم اہل علم وفکر کی تحریروں سے مطالعہ کیا ہی نہیں اس لیے وہ مولانا کی دین کی سیاسی تعبیر ہی کو 'عین دین' سمجھتے ہیں اور اس کے علاوہ ہر چیز کو وہ جھٹلاتے ہیں۔

یہاں تک تو جواب ہوا پروفیسر عبدالخالق سہریانی صاحب اور رضی الدین سیّد صاحب کے اشکالات کا جو غلبۂ دین کی بحث کو صرف سیاست اور اسلامی جمہوریت تک محدود سمجھتے ہیں اور تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفس کا قرآنی اور نبوی منہج ان کو بہت معمولی چیز محسوس ہوتا ہے۔ ظاہر ہے جب تک ان کا تصورِ دین صحیح نہ ہو، ہماری بات ان کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتی۔

اب آیئے تصور حسین صاحب کی طرف جنہیں ہمارا مؤقف صرف 'دعوت' محسوس ہوتا

ہے۔ اس سے بھی ہمارا مؤقف واضح نہیں ہوتا کیونکہ دعوت وتبلیغ کا کام تو ہمارے تبلیغی بھائی بڑے عرصے سے بہت تندہی سے بڑے پیمانے پر کررہے ہیں لیکن اس سے نہ فرد کی جامع تعمیر سیرت ہورہی ہے اور نہ اسلامی معاشرہ اور اسلامی ریاست وجود میں آرہی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کا تصورِ دین ناقص ہے اور معاشرے اور ریاست کو اسلامی بنانا ان کے پیش نظر ہے ہی نہیں۔ ہم جو بات کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ قرآن حکیم اور اسوۂ نبوی کے مطابق فرد کی تعمیر سیرت جامع اور متوازن انداز میں تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفس کے اصول پر اس طرح کی جائے کہ وہ فرد تیار ہو سکے جو قرآن کو مطلوب ہے۔ وہ فرد جو رات کو مصلے پر اور دن کو گھوڑے کی پیٹھ پر ہو یعنی دین و دنیا، دنیا و آخرت اور انفرادی و اجتماعی زندگی دونوں کا شہسوار۔

خلاصہ یہ کہ ہمارے نزدیک تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفس کا کام اس طرح ہونا چاہیے کہ اس کے نتیجے میں فرد کی ایسی متوازن اور جامع تربیت ہو کہ وہ انفرادی اور اجتماعی زندگی (معاشرہ اور ریاست) دونوں میں دین پر عمل کر سکے اور دونوں میں دین غالب آجائے۔

تصور حسین صاحب نے ہمارے مؤقف کو ’دعوت‘ کہنے کے بعد ہمیں تنظیم اسلامی اور فکرِ ولی اللّٰہی کی قیادت سے رجوع کا مشورہ دیا ہے جبکہ تنظیم اسلامی کے بانی ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم ساری زندگی مولانا مودودی کی ’اقامت دین‘ کی سیاسی فکر کے علمبردار رہے۔ قرآن کی طرف رجوع کے رخ کو بھی انہوں نے اسی کی طرف رکھا اور جس تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفس کی ہم بات کر رہے ہیں وہ عمر بھر ان کی سمجھ میں نہیں آئی۔ جہاں تک فکر ولی اللّٰہی کا تعلق ہے وہ دیوبند کے مکتب فکر ہی کی ایک شاخ ہے جس کے تصور انقلاب کو نہ مغربی فکر وتہذیب کے ردّ کی فکر ہے، نہ اس کا تصورِ تصوف متاخرین کے تصوف کی بھول بھلیوں سے ماورا ہے[۱] رہے نام اللہ کا۔

اللہ کرے ہماری یہ معروضات ہمارے تنقید
نگاروں کی تشفی کا باعث بنیں۔ اگر کوئی کسر رہ گئی
ہو تو ہم مزید وضاحت کے لیے حاضر ہیں۔

---

[۱] ان اصحاب کے مؤقف کے تفصیلی مطالعہ کا راقم کو موقع نہیں ملا۔

تفہیم مغرب

ڈاکٹر عثمان احمد [۱]

کیا ٹیکنالوجی غیر اقداری ہوتی ہے؟

اکثر اہل علم یہ دعویٰ کرتے نظر آتے ہیں کہ ٹیکنالوجی کی کوئی اقدار نہیں ہوتیں بلکہ اس کے استعمال کرنے والے پر منحصر ہے کہ اس کو اچھے کام میں استعمال کرے یا برے کام میں۔ جیسے چھری سے خربوزہ بھی کاٹا جاسکتا ہے اور ظالمانہ طور پر کسی کا گلا بھی، اس میں چھری کا کوئی قصور نہیں ہوتا بلکہ استعمال کرنے والا کا قصور ہوتا ہے۔ اخلاق و اقدار تو انسان کا مسئلہ ہے نہ کہ جہاز اور واشنگ مشین کا، یہ آلات تو نیوٹرل ہوتے ہیں، اس لیے ٹیکنالوجی نہ تو کافر و فاسق ہوتی ہے اور نہ ہی اخلاقی و اقداری بلکہ یہ انسان کے استعمال سے منسلک ہے۔ ہمارے نزدیک ٹیکنالوجی کے اقداری یا غیر اقداری ہونے کی بحث میں درج ذیل سوالات اہم ہیں:

* **پہلا سوال:** کیا کسی چیز کے موجد کی آئیڈیالوجی (تصور زندگی، تصورِ انسان، نظریہ اخلاق اور نظریہ عروج و زوال وغیرہم) اس کی ایجاد میں کارفرما نہیں ہوتی؟ کیا وہ ایجاد کرتے وقت نیوٹرل ہوتا ہے اور اس کے افکار و نظریات اور اس کی آئیڈیالوجی اس کی ایجاد پر اثر انداز نہیں ہوتی؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک موجد و تخلیق کار خدا بیزار اور وحی دشمن ہو اور اس کی دریافت و ایجاد خدا و مذہب سے انسانوں کے تعلق کو مضبوطی کے لئے بنائی جائے یا اس کے لئے کسی بھی طرح کارآمد ہو۔ اگر موجد کا تصورِ حیات انکارِ آخرت پر قائم ہو اور اس کی ایجادات سے اس تصور زندگی کو فروغ نہ ملے یا وہ اس کے خلاف ہوں مثلاً اگر کسی کے تصورِ نظافت میں خنزیر یا پیشاب ناپاک نہیں ہے تو اس کی تحقیق و دریافت میں یہ تصور کارفرما ہوگا، وہ اس سے مجرد نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تخلیق کار کی آئیڈیالوجی کا اثر اس کی تخلیق پر عقلاً لازم ہے، میڈیکل سائنس میں خنزیر کا دل انسان کے دل کی جگہ ٹرانسپلانٹ کرنے کی تحقیقات کے پیچھے کیا یہ آئیڈیالوجی کارفرما نہیں کہ خنزیر کی پاکی ناپاکی کوئی مسئلہ نہیں؟ کیا انسانوں کی نفسیات جاننے کے لئے کتوں اور چوہوں پر تحقیقات کیا انسانوں کو ان کے مماثل سمجھے بغیر ممکن ہیں؟

* **دوسرا سوال:** کیا کسی چیز کا مقصد (purpose) اور اس کا ظاہری اسٹرکچر، اس کا

---

[۱] شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

استعمال، اس کا خاص اخلاقی رخ متعین نہیں کرتے؟ کوئی چیز یقیناً کسی مقصد کے لیے وجود میں آتی ہے اور اس کا ایک خاص سانچہ اور ڈھانچہ ہوتا ہے۔ہم جانتے ہیں کہ جہاز ایک خاص ہیئت پر تشکیل پاتے ہیں اور خاص مقصد کے لیے ہوتے ہیں اس لیے ان سے ان کے مقصد و ہیئت کے مطابق ہی کام لیا جا سکتا اور اسی سے اس کا اخلاقی رخ متعین ہوگا۔ جہاز بنیادی طور ہوائی سفر کا آلہ ہے اور اس کا اسٹرکچر کبھی بھی باجماعت نماز پڑھنے کے لیے معاون و مددگار نہیں ہوسکتا۔ایک واش روم میں لگا ہوا بیسن (Sink) اپنے اسٹرکچر کے لحاظ سے ہی وضو کرنے میں سہولت دینے کے لیے نہیں بنایا گیا۔ ایٹم بم عمومی تباہی کا ہتھیار ہے، اس سے انسانی فلاح و بہبود کا کام نہیں لیا جا سکتا۔مزید یہ کہ جب اور جس آبادی پر یہ گرایا جائے گا یہ جنگجو، غیر جنگجو، عورت، بچے، مرد، گھر، فوجی اور بنکر کے مابین فرق کرنے سے قاصر ہے۔اچھی سے اچھی نیت اور احتیاط کے باوجود اس کا کام وہی رہے گا جس مقصد کے لیے یہ بنا ہے۔ ہائیڈروجن بم کا استعمال سوائے عام تباہی کے اور کیا ہوسکتا ہے؟ کیا یہ اس کا اخلاقی مقصد واضح نہیں کرتا؟ ڈیزی کٹر بم اگر دس کلومیٹر کے علاقے میں آکسیجن کا خاتمہ کر دیتا ہے تو اس کا استعمال ہی اس کا اخلاقی رخ متعین نہیں کر دیتا اور کیا اس کا مقصد اور اسٹرکچر اس کے ظالمانہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا؟

* **تیسرا سوال:** کیا ٹیکنالوجی کے غالب اور اکثر استعمال سے کوئی اخلاقی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا اور ان استعمالات و نتائج سے اس چیز کی اخلاقی قدر و حیثیت متعین کرنا درست نہیں؟ ایک عقلی مسلمہ ہے کہ کسی چیز کے غلط یا صحیح ہونے کا دار و مدار اس کے غالب استعمال اور اس کے نتائج پر ہوتا ہے۔کوئی دوائی جب غلط استعمال کی جا رہی ہو تو حکومت اس کو بند کرنے کا حکم دیتی ہے اور کسی دوا کے استعمال سے اگر انسانی صحت پر برے اثرات پڑ رہے ہوں تو ان کا استعمال روک دیا جاتا ہے حالانکہ وہ دوا جس مقصد کے لئے بنائی گئی تھی وہ پورا کر بھی رہی ہوتی ہے۔موبائل ٹیکنالوجی کے استعمال کے طبی، نفسیاتی، ذہنی اور سماجی مفاسد کیا اس کی اخلاقی قدر متعین نہیں کرتے؟ حکومت پاکستان نے پلاسٹک شاپنگ بیگز کے استعمال پر مکمل پابندی عائد کردی تھی۔ یہ پابندی عائد کرنا ایک اخلاقی فیصلہ ہے جو پلاسٹک شاپنگ بیگز کو مضر قرار دے کر عائد کیا گیا ہے، اس لئے مضر و مفید کا حکم لگانا بالکل فطری ہے جو کہ اقداری حکم ہے۔کیا موبائل، ٹی وی اور اسی قبیل کے دیگر آلات کی ریڈی ایشن انسانی صحت کے لیے کسی طرح بھی فائدہ مند ہے؟

* **چوتھا سوال:** کیا ایک عیاش ذہن کو سب سے زیادہ ضرورت ٹیکنالوجی کی نہیں ہوتی؟ اگر ہم سوچیں کہ ہمیں زندگی کی ہر راحت درکار ہے، ہمیں بس عیاشی کرنی ہے تو ہماری عیاشی کی خواہش کو بہترین انداز میں پورا کرنے کے لیے ٹیکنالوجی درکار ہوگی۔ اگر موسم کی کسی بھی تلخی سے بچنا ہے تو ٹیکنالوجی درکار ہے، اگر سفر کی صعوبت سے بچنا ہے تو ٹیکنالوجی درکار ہے، اگر اپنے جسمانی حسن کو اپنا مقصود بنانا ہے تو ٹیکنالوجی درکار ہے، (کاسمیٹک مصنوعات کو دیکھ لیجیے) ٹیکنالوجی کو بالکل نکال کر کسی عیاشی کا تصور کیجیے؟ کیا کوئی عیاشی اس کے بغیر ممکن نظر آتی ہے؟

* **پانچواں سوال:** اگر ٹیکنالوجی کے منافع ونقصانات برابر بھی ہوں تو کیا ہمیشہ منافع ہی قابل لحاظ ہوتے ہیں؟ نیز نقصانات کو تو انسانوں کے غلط استعمال کے ذمے لگا دینا اور فوائد کو ٹیکنالوجی کا کمال بتانا، متعصّبانہ فیصلہ نہیں؟ ٹیکنالوجی کے حق میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ ٹیکنالوجی کے بہت فائدے ہوتے ہیں اور انسان کو سینکڑوں مصیبتوں سے نجات ٹیکنالوجی نے دی ہے۔ آج ہم تاریخی اعتبار سے بہترین مقام پر ہیں۔ ٹیکنالوجی کے فوائد سے انکار نہیں جیسے ہمیں شراب کے فوائد سے انکار نہیں لیکن کسی چیز کو مفید قرار دینا بھی ایک اقداری حکم ہے، حیرت ہے جو لوگ اس کے حق میں اقداری واخلاقی حکم لگاتے ہیں وہ جب اس کے خلاف حکم لگایا جائے تو کہتے ہیں ٹیکنالوجی تو غیر اقداری چیز ہے، یہ تو انسان ہی ہے جو غلط استعمال کرتا ہے۔ ٹیکنالوجی نے کیا غلط کرنا؟ کسی مشین کی کیا غلطی؟ یعنی فائدہ ہو تو مشین سے منسوب ہوگا نقصان ہو تو انسان سے۔ اسی طرح جب ٹیکنالوجی کی شان بیان کی جائے تو کوئی نہیں کہتا کہ اس کی کیا شان؟ یہ تو غیر اقدری ہے، ٹیکنالوجی کے حامی بھی مانتے ہیں کہ اس کے نقصانات بھی کثیر ہیں۔ اب سوال پیدا ہوگا کہ مفاسد بھی ہوں اور منافع بھی تو اس برابری کی صورت حال میں کس چیز کو فیصلہ کن مانا جائے گا؟ چنانچہ واضح ہے کہ یہ ایک مسلمہ عقلی اصول ہے کہ حصول نفع پر دفع نقصان کو ترجیح حاصل ہے۔

* **چھٹا سوال:** کیا ٹیکنالوجی کا محدود سرمایہ دار طبقے کے لیے مہیا ہونا اور ان کے فائدے کا باعث ہونا درحقیقت پوری انسانیت کا فائدہ ہے؟ ٹیکنالوجی سے استفادے کا تعلق انسانوں کے زیادہ سے زیادہ دس فیصد طبقے سے ہے اور بلند ترین ٹیکنالوجی سے استفادہ تو محض پانچ فیصد طبقے تک محدود ہے۔ کیا یہ ٹیکنالوجی کی اقدری حیثیت متعین نہیں کرتا کہ اس کی رسائی

وفوائد تو سرمایہ دار طبقے تک محدود ہیں اور نقصانات ساری انسانیت تک پھیل جاتے ہیں۔ انڈسٹریل انقلاب کے بعد مشینوں کی کثرت اور دیگر ٹیکنالوجیکل ترقیوں کے نتیجے میں اگر مزدور طبقے کے نقصانات سے صرف نظر بھی کیا جائے تو گلوبل وارمنگ اور فضائی و بحری گندگی کو ہی مدنظر رکھا جائے تو فوائد تو ایک خاص طبقے تک محدود رہے لیکن نقصانات کائناتی ہو گئے۔

* ساتواں سوال: پوری دنیا پر قبضہ کرنے اور سب پر غالب آنے کی خواہش کیا اسلحے کی جدید ٹیکنالوجی کے وجود کا سبب نہیں ہے؟ آواز سے تیز رفتار جنگی جہاز، بین براعظمی میزائل، ساونڈ ٹیکنالوجی کے ہتھیار، ڈرون ٹیکنالوجی اور اسی طرح مہلک ترین ہتھیار کیا جدید ٹیکنالوجی کا یہ مقصد واضح نہیں کرتے کہ اسے تباہی پھیلانا اور اپنے خالق کے لئے باجبروت حکومت کا راستہ ہموار کرنا ہے۔

بقیہ: اساتذہ کی پیشہ وارانہ تربیت اور لائسنسنگ

اور دوسری جانب گھر کی دہلیز پر لاکھوں نوجوان اساتذہ کے اشتراک سے مثبت و موثر سرگرمیوں کا انعقاد کر رہے ہیں جن کی تعداد 85 فیصد ہے۔ 5 فیصد ایلیٹ نجی تعلیمی اداروں کو بھی الگ کر لیا جائے تو باقی 10 فیصد ان دو دہائیوں کا مشرومنگ اضافہ ہے جو اس شعبے میں خاص طور پر سرمایہ دار انوسٹرز کا ہے جس نے برانڈ لبادے میں بزنس ماڈل کے ذریعے جہاں ایک انوکھی منطق متعارف کروائی ہے وہاں استاد کے استحصال کا بھی ایک نیا نظام متعارف کروایا ہے جس پر کئی آرٹیکل الگ سے لکھے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح رسمی و غیر رسمی تعلیم دینے والے معلمین کے ساتھ ہونے والے ناروا سلوک میں ڈونرز فنڈڈ پروگرامز کا بہت بڑا عمل دخل ہے جس پر بھی ایک لمبی بحث کی جا سکتی ہے ابھی موجودہ دور کی صرف ایک مثال پر ہی اکتفا کر رہا ہوں۔ آؤٹ آف سکول بچوں کے نام پر وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کے نام نہاد ذمہ داران کو 650 ملین کی نذر نیاز بانٹ دی گئی جس کے نتائج کیا آنے ہیں وہ ہم سب کو معلوم ہے۔ یہاں تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے کہ وہاں پر بھی اُستاد کے استحصال پر ریکارڈ بنائے جا رہے ہیں۔ بقولِ شاعر ؎

دیکھا نہ کوہ کن کوئی فرہاد کے بغیر آتا نہیں ہے فن کوئی اُستاد کے بغیر

ڈاکٹر احمد امتنان کاشف (۱)

تفہیم مغرب

مغربی تہذیب ایک دلدل ہے (آخری قسط)
اس سے بچاؤ کیسے ممکن ہے؟

پس چہ باید کرد

اس سلسلے میں ہماری تجاویز درج ذیل ہیں:

۱۔ اس حوالے سے سب سے پہلا کام اس تہذیب کا فہم وادراک ہے۔ یقیناً یہ جاہلیتِ خالصہ ہے، ہم پر اس کا خبثِ باطن واضح ہونا سب سے پہلے ضروری ہے۔ جان لیجیے کہ اسلام کامل الٰہی تہذیب ہے اور مغرب کامل جاہلی تہذیب ہے۔ یہ دونوں اکٹھے نہیں چل سکتے، ان دونوں کو ملا کر چلانے کی فکر نے ہی ہمیں اس دلدل میں پھینک دیا ہے۔

۲۔ دلدل زمین کے اس خطے کو کہتے ہیں جس میں پانی کی کثرتِ آمیزش کی وجہ سے ایسا لیس دار کیچڑ وجود میں آتا ہے جس میں گرا ہوا شخص جتنا ہاتھ پاؤں مارے گا مزید دھنس جائے گا، اس سے نکلنا یقیناً بہت محنت طلب عمل ہے۔ اس سلسلے سب سے اہم حکمت عملی حتی الامکان حرکت کو کم از کم کرنا ہے تا کہ مزید دھنسنے کا عمل رک جائے۔

پس اس وقت ہمیں بھی یہی حکمتِ عملی اختیار کرنی ہوگی۔ مغربی تہذیب کی دلدل میں اپنی حرکت کو کم از کم سطح پر لے جائیں۔ مغربی تہذیب کی حرکت کی بنیاد سرمایہ ہے، اس لیے حرکت کم کرنے سے مراد سرمایہ کی گردشی عمل میں کم از کم فعال ہونا ہے۔

۳۔ سرمایہ مغربی تہذیب میں خدا کا درجہ رکھتا ہے، اس کو پوجنا اس تہذیب کی عبادت ہے، جس کے ذریعے انسان اس تہذیب میں اونچے سے اونچا مقام حاصل کر سکتا ہے۔ پس اس عبادت سے دور سے دور تر ہو جانے کی مسلسل کوشش ہی اس دلدل سے نکلنے کو ممکن بنا سکتی ہے۔ سرمایے میں مسلسل اضافہ ترقی ہے، اضافہ مسلسل نہ ہو تو ترقی رک جائے گی، ترقی کا روک دینا ہی اس دلدل سے نکلنے کی اصل راہ ہے۔

---

(۱) ساہیوال

۴۔ ترقی کو روک دینا فی زمانہ مشکل ترین اور لوگوں کی نگاہوں میں نامعقول ترین فعل ہے۔اس عمل میں جلد بازی کسی حادثے کو بھی جنم دے سکتی ہے۔اس کا نتیجہ سرمائے پر ایمان میں اضافے کی شکل میں نکل سکتا ہے، اس لیے اس عمل میں ایسی دانش مندی درکار ہے کہ حادثاتی واقعات رونما نہ ہوں بلکہ آہستہ آہستہ تہذیبی تغیرات روبہ عمل لانے کی سعی کی جائے۔ اس سلسلے میں پہلا قدم خواہشات کی تبدیلی ہے یعنی خواہشات کو نبوی منہج سے اخذ کرنا اور اسی کو آئیڈیلائز کرنا۔اس طرح کرنے سے شیطانی خواہشات سے کراہت پیدا ہوگی۔

۵۔ اسی طرح جدیدیت (Modernity) کی بنیادی ادارتی صف بندی کو سمجھنا ہوگا جس میں سب سے پہلا سکول ہے۔سکول ہیومن سازی کا اولین مرکز ہے، جس کی فی زمانہ مسلم معاشروں میں اہمیت کا عالم یہ ہے کہ سکول نہ جانے والے بچوں کو نفسیاتی مریض سمجھا جاتا ہے اور سکول جانے کے عمل کو ابدی، آفاقی اور فطری تقاضا سمجھا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں آج ہمارے معاشروں کی عظیم اکثریت سکول سے فارغین پر مشتمل ہے۔ یہ تناسب جتنا جتنا بڑھتا جا رہا ہے اتنا معاشرہ ماڈرن ہوتا جارہا ہے، اس لیے سکول کے اصل زہر کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

۶۔ سکول کی فضیلت کو قرآن وسنت سے ثابت کرنے کی کوشش دراصل سکول کے زہر کو نسل انسانی میں اتارنے کا سب سے کارگر نسخہ ہے۔ سب سے پہلے اس رویے کو چھوڑنا چاہیے۔سکول کی تعلیم اور اس کا نظام کامل ہیومن سازی کی خاطر ہے جس کا اصل جوہر "عبدیت" سے آزادی اور فرار کے سوا کچھ نہیں ہے۔سکول میں دین و دنیا دونوں سکھانے کا تجربہ بھی بڑا ناکام رہا ہے جس نے سرمایہ پرستی کے لیے نمازی، حاجی اور صوفی قسم کے یک رخے دیندار لوگوں کی ایک نئی قسم ایجاد کی ہے اور یہی لوگ ماڈرنٹی کو مسجد، مدرسہ اور خانقاہ میں بھی داخل کر چکے ہیں۔حتی کہ اب روئے زمین کی سب سے مقدس مسجد، مسجد الحرام مکہ مکرمہ اس تہذیب کے مظاہر سے اٹ چکی ہے اور عبادات کے روحانی اثرات کو مسل چکے ہیں۔ یاد رکھیے! معاصر دینی مدارس کا ڈھانچہ اپنے نظام کے اعتبار سے سکول سے بہت مشابہ ہے، اسی لیے اب بڑے مدارس نے یونیورسٹی یا جامعہ کا سٹیٹس بھی حاصل کر لیا ہے۔

۷۔ اس سلسلے میں ہمیں سکول کی فرضیت کا عمومی تاثر ختم کرنا ہوگا، اس سے باہر والوں کو

بھی نارمل انسان تسلیم کرنا ہوگا، اس سلسلے میں متبادل پر غور کریں۔

جدید اداروں کے بغیر تعلیم کے امکانات تلاش کریں۔ گھر اور محلے کی بنیاد پر بھی تعلیم دی جا سکتی ہے۔ قابلِ اعتماد علماء اور اساتذہ سے شخصی حیثیت میں بنا ادارتی صف بندی کے حصولِ علم کی کوشش کی جائے۔ خاندان میں پڑھانے والے اگر موجود ہوں تو یہ آپشن بہترین ہے۔

حرص وحسد نظام سرمایہ داری کے لیے اصل ایندھن ہے، اس ایندھن کو اللہ تعالی کا دین قبول نہیں کرتا ہے۔ سکول اور یونیورسٹی چونکہ نظام سرمایہ داری کے مراکز ہیں تو یہاں آنے والا حرص وحسد کو وافر مقدار میں حاصل کرتا ہے، اس کے لیے مختلف اقدامات یہ ادارے کرتے ہیں مثلاً مہنگی فیسیں، لگژری ماحول، نظام امتحانات ونصاب وغیرہ، اس لیے ان سب کا تدارک بھی کسی حد تک ضروری ہے۔

پوست کے بیج ڈال کر گندم کی امید رکھنا حماقت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اسی طرح ہیومن سازی کا ادارہ سکول مومن ومجاہد تیار کر کے نہیں دے گا، یہ ہیومن ہی بنائے گا، اس لیے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ یہ بات تو مان لینی چاہیے کہ ہم اسلام پسند لوگوں کے نزدیک سکول و یونیورسٹی کی تعلیم کا ایک ہی مقصد ہے کہ اچھا روزگار ملے، اچھی نوکری ملے یا معاشرے میں سٹیٹس بن جائے اور بس۔ اس سلسلے میں ایک تدبیر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ گھر پہ تیاری کر کے پرائیویٹ امتحان دیا جائے اور مذکورہ مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کریں اگر یہ ممکن نہ ہو تو ادارہ ایسا منتخب کریں جو اونچی شان والا نہ ہو۔ اس ادارے میں آپ اپنے بچے کو اپنے حساب سے چلا سکیں، نظام جبر کے حامل مہنگے مہنگے اداروں سے بچیں۔ بس کم حیثیت کے حامل اداروں سے ہی اپنا ہدف حاصل کرنے کی کوشش کریں، یاد رکھیں! جتنا مہنگا اور شاندار سکول اتنا ہی ماڈرن بننے کا امکان زیادہ ہے، اس سلسلے میں لمبے دورانیے والے اداروں کے مقابلے میں مختصر دورانیے کی اکیڈمیوں کا تجربہ بہتر ہوسکتا ہے۔

جب مقصد روزگار اور روٹی ہی ہے تو سب سے بہتر آپشن یہ ہے کہ ابتدا سے ہی کسی کاروبار یا زراعت وغیرہ کا انتخاب کیا جائے۔ بلاشبہ اس طریقے سے روزگار اور روٹی کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ ماضی کی تہذیبوں میں نوکری روزگار اور روٹی کا اتنا بڑا ذریعہ نہیں ہوا کرتی

تھی، جس کی وجہ سے لوگ کاروبار، زراعت اور لائیو اسٹاک کے ذریعے اپنے معاش کو مینج کرتے تھے۔ نوکری کا سیلاب تو جدید تہذیب کی ایجاد ہے حالانکہ آج بھی زیادہ خوشحالی تجارت و کاروبار ہی میں ہے تو پھر ان تعلیمی اداروں کے جبر کی آخر کیا ضرورت ہے؟

جدید تعلیم انتہائی شدید ظالمانہ مسابقت کو جنم دیتی ہے۔ اس میں صرف چند فیصد بچے ہی منزلِ مراد پر پہنچ سکتے ہیں باقی سب کے سب بیچ کی منزلوں ہی میں آؤٹ ہو جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں معاشرے کو بے حوصلہ، مایوس، ذہنی بیمار، منتشر الخیال اور مخبوط الحواس بچوں کی کھیپ کی کھیپ ہر وقت مل رہی ہوتی ہے جو بعد میں مختلف قسم کے جرائم کا شکار ہو کر معاشرے کو شدید بحران کا شکار کرتے ہیں۔ معاشرے میں مختلف طبقات پیدا ہوتے ہیں جو آپس میں دست بہ گریباں رہتے ہیں۔ آج ان مسائل سے ہمارے معاشرے بھرے پڑے ہیں مگر پھر بھی اس تعلیمی نظام کو مورد الزام ٹھہرانے کے لیے کوئی تیار نہیں ہے اور نئی نسلوں کو بھی اسی شراب کے پلانے پر بضد ہیں۔ اس نفسیات کو ہم کبھی بھی نارمل نفسیات نہیں کہہ سکتے۔

اس نظامِ تعلیم سے فارغین کی اخلاقی، مالی اور دینی کیفیات پر ایک نظر ڈال کے دیکھیے۔ کیا اتنی بد اخلاقی، مالی بدعنوانی اور لادینی اس نظام تعلیم کا تحفہ نہیں ہے؟ کیا ایسی بے شرم و بے حیاء نسل پہلے کبھی دیکھی؟ کیا اتنی بڑی کرپشن کبھی ہوئی؟ کیا اسلام سے دوری اس سطح پر پہلے کبھی نظر آئی؟ ان تمام امراضِ خبیثہ میں مبتلا یہ لوگ کیا انہی اداروں کے ڈگری ہولڈرز نہیں ہیں؟

۸۔ جب دشمن ہمارے گھر پہ حملہ آور ہو جائے تو ہمیں گھر اور گھر والوں کا دفاع ہر حال میں کرنا ہے۔ خدانخواستہ اگر دفاع ممکن نہ ہو تو گھر والوں کو لے کر وہاں سے بھاگ جانا بھی ایک دفاعی سٹریٹجی ہی ہے۔ اس وقت ہمیں بعض موقعوں پر یہ سٹریٹجی بھی اپنانی پڑے گی تاکہ نقصان کو کم از کم کیا جائے پھر بعد میں پلٹ کر حساب بے باک کیا جا سکے گا۔ ہمارا فی الحال اس تہذیب کے اظہارات سے ہٹ کر یا اس کے اداروں سے بچ کر یا اس کی ترغیبات سے بھاگ کر جان بچانا اسی سٹریٹجی کا حصہ ہے۔

۹۔ اس سٹریٹجی کا یہ بھی ایک پہلو ہے کہ جس معیار زندگی کو مغرب نے پیش کیا ہے اور اس میں مسلسل اضافے کو وہ ترقی کہتے ہیں تو اس میں اپنی رفتار کو سست کرنا اور آہستہ آہستہ واپس اسلام

کے بہترین دور اور بہترین لوگوں کے معیار کے قریب ہو جانا۔ اس سلسلے میں جو کام فوری کرنے کا ہے وہ ہے اسباب کو کم کرنا، کم سے کم چیزیں خریدنا، اسراف کو ختم کرنا، حاجات کی سطح پر زندگی گزارنے کی کوشش کرنا، چیزوں کی کھپت کو گھٹانا جس سے سرمایے کی چکی خود بہ خود سست ہو گی۔

۱۰۔ اس دلدل سے نکلنے کے لیے وہ راستے درست نہیں ہیں جو اس تہذیب نے خود دکھائے ہیں۔ یہ تہذیب چونکہ فطری نہیں ہے جس کی وجہ سے روز انسانوں پر طرح طرح کے عذاب اسی کے ہاتھوں پہنچ رہے ہیں۔ خاندانوں کی تباہی، حیاء باختگی اور مہنگائی وغیرہ نے انسانی زندگی کو شدید تلخ بنا دیا ہے۔ یاد رکھیں! ان عذابات سے چھٹکارہ نہ کوئی قانون سازی کے عمل سے ممکن ہے، نہ کسی احتجاج وایجی ٹیشن سے مل سکتا ہے، نہ اس کے لیے مزید ادارے کھولے جا سکتے ہیں۔ یہ سب ہمیں بڑے طریقے سے وہیں پہنچائیں گے جہاں سے ہم بھاگنا چاہتے تھے۔ اس وقت ان تمام ذِلتوں سے بچنے کے لیے صرف اس تہذیب کے اثرات سے بچنے کی کما حقہ کوشش ہی مفید ہے۔ اپنی صارفیت کو کم کیا جائے، ترقی کی خواہشات پر قدغن لگائیں۔ ہمیشہ قبر اور حشر سامنے رکھیں، خیر القرون کی طرف مراجعت کو ہی کامیابی سمجھیں، قطع نظر اس سے کہ اس سلسلے میں قدم کتنے اٹھے ہیں مگر اس کی اہمیت کو تسلیم کریں تو ان شاء اللہ کچھ نہ کچھ قدم باذن اللہ اٹھ ہی پائیں گے۔ اور ہو سکتا ہے یہی کچھ ہی میرے بس میں ہو اور میرا اللہ کے سامنے حساب آسان ہو جائے۔

۱۱۔ صارفیت کو کم کرنے کے لیے مارکیٹ پر انحصار کم کرنا ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے اپنی ضرورت کی چیزیں حتی الوسع خود پیدا کرنے کی کوشش بھی اس ضمن میں ایک مفید قدم ہوگا۔ ماضی کی تہذیبوں میں انسان اپنی ضرورت کی نوے فیصد چیزیں خود پیدا کرتے تھے، باقی دس فیصد میں سے بھی زیادہ حصہ وہ بارٹر ٹریڈنگ سے پورا کرتے تھے جس کے لیے بازار جانا ضروری نہیں تھا۔ فقط دو تین فیصد کے لیے اسے کرنسی لے کے بازار جانا پڑتا تھا۔ آج ہم سو فیصد مارکیٹ کے محتاج ہیں، جس سے کیپٹل ازم ہی فروغ پائے گا نہ کہ اسلام کیونکہ بازار کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسندیدہ ترین جگہ قرار دیا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس بات کو سمجھیں اور اس سمت کچھ نہ کچھ قدم اٹھائیں، بھلے چند فیصد چیزیں ہی خود پیدا کریں۔

(بقیہ صفحہ نمبر: ۲۵)

عالم اسلام

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

عصرِ حاضر میں اسلامی حکومت کیسی ہونی چاہیے؟

طالبان کا افغانستان

چند غور طلب اختلافی امور

سیاسی جماعتوں پر پابندی۔ پروفیشنلز اور ماہرین کی کمی۔ عصری/عورتوں کی تعلیم۔ پاکستان سے تعلقات

سیاسی جماعتوں پر پابندی

طالبان نے دنیا کے مطالبے کے باوجود غیر طالبان کو حکومت میں شامل نہیں کیا البتہ طالبان کے اندر سے مختلف علاقوں اور طبقوں کو ضرور شامل کرلیا۔ ہم جب کابل میں تھے تو ہمارے علم میں آیا کہ گلبدین حکمت یار اور جماعت اسلامی کے لوگوں کو انفرادی طور پر کام کی آزادی ہے لیکن تنظیمی طور پر اور اجتماعی سرگرمیوں پر غیر علانیہ پابندی ہے۔ اب باقاعدہ قانونی طور پر سیاسی جماعتوں پر پابندی لگادی گئی ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہمارے علم میں آیا کہ طالبان پر کھلے عام تنقید کی اجازت نہیں ہے اور اس پر پکڑ دھکڑ ہوتی ہے۔

ہمارے ذہین میں سوال یہ ہے کہ خدانہ کرے کل کلاں، پانچ دس سال بعد، طالبان کی حکومت کسی وجہ سے غیر مؤثر یا ناکام ہوجاتی ہے تو انتقال اقتدار کا طریقہ کیا ہوگا؟ اگلی حکومت کیسے بنے گی اور کون بنائے گا؟ یہ ٹھیک ہے کہ مغربی طرز کی جمہوریت اسلام میں نہیں ہے لیکن جو چیز منصوص نہ ہو، اس کے لیے اجتہاد کرکے حل نکالنا تو ضروری ہے۔ ماضی میں مسلم حکمرانوں اور مفکرین نے انتقال اقتدار کا کوئی فارمولا وضع نہیں کیا تو اس سے امت کا بہت نقصان ہوا اور سیاسی عدم استحکام پیدا ہوا۔ اسی طرح ہمارے خیال میں جائز اور معتدل انداز میں اظہارِ رائے اور تنقید کی اجازت ہونی چاہیے تاکہ کمزوریوں اور شکایات کا ازالہ ہوسکے۔ مغربی طرز کے انتخابات اور پارلیمنٹ نہ سہی لیکن بہر حال ملک کے قابل ذکر عناصر سے مشاورت کے اہتمام کے لیے بھی ادارہ بننا چاہیے کہ مشاورت حکم شرعی ہے۔ اسی طرح 'اہل الحل والعقد' کی طرز کا کوئی ادارہ انتقال اقتدار کے لیے بننا چاہیے۔ اگر یہ نہ ہوا تو پھر تو یہ ملوکیت اور ڈکٹیٹر شپ ہوگئی اور گویا مخالفین کی یہ بات صحیح ثابت ہوگئی کہ اسلام ملوکیت کا حامی (اور جمہوریت کا مخالف) ہے۔

پروفیشنلزم اور ماہرین کی کمی

جب ہم نومبر ۲۰۲۲ء میں کابل میں تھے تو جماعت اسلامی کے ایک پروفیسر صاحب نے بتایا کہ طالبان نے سارے سابقہ تجربہ کار ملازمین کو نکال دیا ہے اور ان کی جگہ مجاہدین کو تعینات کر دیا ہے جو نہ مناسب طور پر تعلیم یافتہ ہیں اور نہ متعلقہ شعبوں میں مہارت رکھتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ یہ لوگ ناکام ہو جائیں گے۔ خود ہمارا مشاہدہ یہ تھا کہ جب ہم وزیر تعلیم (سکولز) سے ملے اور ان سے تعارف ہوا تو پتا چلا کہ وہ پشاور کے ایک مدرسہ کے پڑھے ہوئے تھے اور دینی مدارس میں پڑھانے کا تجربہ رکھتے تھے۔ وزیر تعلیم (ہائر ایجوکیشن) اس وقت بیرون شہر تھے اور ہماری ملاقات نائب وزیر تعلیم سے ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ وہ کوئٹہ کے ایک مدرسہ کے فاضل ہیں اور دینی مدارس میں پڑھاتے رہے ہیں۔ ہم خود حیران تھے کہ یہ نیک لوگ جنہوں نے جدید تعلیمی اداروں (سکولز، کالجز، یونیورسٹیوں) میں نہ پڑھا، نہ پڑھایا وہ اپنی وزارتوں کو کیسے چلائیں گے۔ اس وقت طالبان حکومت کو بنے ایک سال ہوا تھا اور صورتِ حال بہت واضح نہ تھی۔ اب ان کی حکومت بنے دو سال ہو گئے ہیں اور نتائج سامنے آنا شروع ہو گئے ہیں۔ امن و امان بہت بہتر ہے۔ مالی حالت سنبھلی ہی نہیں، بہت بہتر ہو گئی ہے، مہنگائی کم ہوئی ہے اور کرنسی (افغانی) ڈالر کے مقابلے میں بہت مضبوط ہے (۷۵ افغانی فی ڈالر)، ایک افغانی چار پاکستانی روپوں کے برابر ہے۔ ملک میں سیاسی استحکام ہے اور گورننس (نظم ونسق) زبردست ہے۔

ایک اور تجربہ ہمارے علم میں آیا تبلیغی جماعت کے ہمارے ایک دوست ہیں جن کی اپنی ایک فیکٹری ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے کئی یونیورسٹی گریجوایٹس کو ملازم رکھا لیکن ان میں سے اکثر کام چور، بددیانت اور پروٹوکول کانشس (یہ کام ہم نہیں کریں گے کہ ہماری شان کے خلاف ہے) نکلے۔ تنگ آ کر ہم نے دینی مدارس کے فضلاء کو تربیت دی اور نتائج بہت اچھے نکلے۔

ان دو مثالوں سے ثابت ہوا کہ ایک کامیاب ملازم و منتظم میں بنیادی طور پر وہ خوبیاں ہونی چاہئیں جو قرآن حکیم میں مذکور ہیں یعنی وہ قوی اور امین ہو۔ مہارت کا نمبر اس کے بعد آتا ہے اور قوت و امانت کے ساتھ وہ جلد حاصل ہو سکتی ہیں۔ پتا چلا کہ کامیاب ملازم یا منتظم وہ ہوتا ہے جو مخلص اور دیانت دار ہو، ذہین اور محنتی ہو۔ طالبان میں یہ چاروں خوبیاں موجود ہیں لہٰذا

وہ اور ان کی ریاست کامیاب ہے۔ ہمارے پاکستان میں ملازمین و منتظمین میں یہ خوبیاں عنقا ہیں (اگرچہ مطلوبہ مہارت و تجربہ موجود ہے) لہٰذا ہم پسماندہ ہیں اور بحرانوں کا شکار ہیں۔

عصری تعلیم

ا۔ یہ کہنا غلط ہے کہ طالبان دنیاوی تعلیم کے خلاف ہیں۔ اس ضمن میں تحریک طالبان کے بانی ملا محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا:

”عوام الناس کو چاہیے کہ نئی نسل کو دینی اور عصری دونوں طرح کے علوم سے آراستہ کریں، اس لیے کہ دورِ حاضر میں جدید علوم کا حصول بھی سماجی بحالی کی اہم ضروریات میں سے ہے۔“ [۱]

اور طالبان کے موجودہ امیر شیخ الحدیث ھبۃ اللہ کا کہنا ہے:

”تعلیم و تربیت کے شعبے پر امارت اسلامیہ خاص توجہ دیتی ہے، جب تک ہمارا ملک تعلیمی لحاظ سے ترقی نہیں کرے گا، ہم معاشی اور معاشرتی طور پر ترقی نہیں کر سکتے۔ معاشی استقلال اور خود کفیل بننے کے لیے تعلیمی اداروں کی سرگرمیاں، اپنے اولاد کو تمام تعلیمی شعبوں میں تربیت دینا، خاص طور پر دینی لحاظ سے اولاد کی تعلیم و تربیت اور جدید علوم کے شعبے میں ترقی وہ امور ہیں، جس کی اہمیت امارت اسلامیہ سے مخفی نہیں اور ہم اس کی ترقی کے لیے کوشاں ہیں۔

اس حوالے سے مجاہدین کو ہماری ہدایت یہ ہے کہ امارت اسلامیہ کے ماتحت علاقوں میں دینی اور عصری علوم کے سلسلے پر خصوصی توجہ دیں۔ مدارس دینیہ، سکول، کالج اور یونیورسٹیاں کھلی رکھیں۔ معاملات کی آسانی میں ان کے ساتھ تعاون کریں۔ علماء کرام جدید علوم کے اساتذہ یونیورسٹیوں کے پروفیسرز اور ممتاز علمی شخصیات کی عزت کریں۔ معاشرے کے لیے ان کی بیش بہا خدمات کا احساس کریں اور ان کی ضروریات کی تکمیل کے لیے حتی الامکان ان کا ہاتھ بٹائیں۔“ [۲]

لہٰذا یہ سوچنا غلط ہوگا کہ طالبان دنیاوی تعلیم کے خلاف ہیں۔ خود ہمارا تجربہ یہ ہے کہ جب ہم نے افغان وزیر تعلیم (سکولز) اور نائب وزیر تعلیم (ہائر ایجوکیشن) سے نومبر ۲۰۲۲ء میں ملاقات کی تھی تو دونوں وزیر فروغ تعلیم کے حق میں تھے اور ان کا کہنا تھا کہ وہ

---

[۱] عید الفطر ۲۰۱۳ء کے موقع پر قوم کے نام پیغام (ماہنامہ شریعت جولائی ۲۰۲۳ء)

[۲] ماہنامہ شریعت جون ۲۰۲۳ء

تعلیم کے فروغ میں غیر مشروط اعانت کو خوش آمدید کہیں گے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ تعلیم کے حوالے سے ان پر تنقید کرنے والے تو بہت ہیں لیکن ان کا ہاتھ بٹانے والا کوئی نہیں۔ افغانستان میں تعلیم کیسی ہونی چاہیے؟ یہ فیصلہ کرنا، ظاہر ہے، ایک آزاد قوم ہونے کی حیثیت سے ان کا حق ہے اور کسی کو ان پر اپنا تعلیمی ایجنڈا مسلط کرنے کا کوئی حق نہیں۔

عورتوں کی تعلیم

افغانستان ایک روایتی قبائلی معاشرہ ہے۔ وہ مغرب کی طرح انڈسٹریلائزڈ سوسائٹی نہیں ہے۔ اور اگر وہ انڈسٹریلائزڈ سوسائٹی نہیں بننا چاہتا تو یہ اس کا حق ہے اور مغرب کو اس پر اپنی تہذیب اور معیشت مسلط کرنے کا کوئی اخلاقی اور قانونی جواز حاصل نہیں۔ مردوں اور عورتوں کی ماس ایجوکیشن مغرب کی انڈسٹریلائزڈ سوسائٹی کی ضرورت ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر اس کے برعکس ہے۔ اسلام میں جو تعلیم ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے لازمی ہے وہ ''الدین بالضرورۃ'' کی تعلیم ہے یعنی ہر مسلمان مرد و عورت کو دین کی بنیادی تعلیمات (عقیدہ، عبادات، اخلاق اور معاملات کی ضروری باتیں) جاننا ضروری ہے تاکہ وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کر سکے۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا یا دنیاوی مہارتیں حاصل کرنا یہ ہر فرد پر لازم نہیں بلکہ یہ ان کے لیے فرض کفایہ ہیں یعنی معاشرے کے اتنے افراد کو یہ علوم وفنون حاصل کرنا ضروری ہیں جس سے معاشرے کی ضرورت پوری ہو جائے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اکثر عورتوں کے لیے دین کی بنیادی تعلیم، نوشت وخواند، روزمرہ کا حساب اور اخلاق وآداب کی تعلیم کافی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ طالبات کو پڑھانے کے لیے خواتین اساتذہ کی بڑی تعداد کی ضرورت ہے۔ اسی طرح خواتین کے علاج کے لیے بڑی تعداد میں خواتین ڈاکٹروں اور نرسوں/ دایہ کی ضرورت ہے اور طالبان کو ان شعبوں میں خواتین کی تعلیم وتدریب کا ضرور اہتمام کرنا چاہیے اور اگر وہ نہیں کرتے تو یہ غلط ہوگا۔

مرد وخواتین دونوں کے لیے دینی تعلیم بھی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کے لیے دینی مدارس کا جال سارے ملک میں پھیلایا جانا چاہیے۔ اسی طرح دینی تعلیم کے ساتھ مردوں کی اعلیٰ تعلیم اور مختلف مہارتوں میں ان کی دسترس کو یقینی بنانا بھی تعلیم کا ہدف ہونا چاہیے۔ موجودہ ملازمین (بیوروکریسی، عدلیہ بلکہ سیاسی قیادت) کے لیے تربیتی کورسوں کا اجراء بھی ہمارے خیال میں

ضروری ہے اور طالبان حکومت کو اس کا پروگرام بنانا چاہیے۔

پاکستان کے ساتھ تعلقات

روس کے خلاف جب افغانستان میں عوامی لہر اٹھی تو پاکستان نے مجاہدین کی میزبانی کی اور روس سے لڑنے میں ان کی مدد کی۔ جب طالبان پہلی دفعہ اقتدار میں آئے تو اس وقت بھی پاک افغان تعلقات دوستی پر مبنی تھے۔ پاکستان نے لاکھوں افغان مہاجرین کو سہارا دیا۔ لیکن جب امریکہ نے افغانستان پر حملہ کیا تو پاکستان کی فوجی حکومت نے بدقسمتی سے افغانستان کو تباہ کرنے میں امریکہ کا ساتھ دیا۔ یہ سلسلہ ۲۰ برس تک جاری رہا اور اس دوران نئی ابھرنے والی افغان نسل اور ان کی قیادت پاکستان کے خلاف، بجا طور پر، ناقدانہ خیالات رکھتی ہے۔ چنانچہ جب افغان طالبان امریکہ کو شکست دے کر اسے ملک سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے حکومت بنالی تو ظاہر ہے حکومت پاکستان سے ان کے تعلقات دوستی والے نہ تھے۔ پاکستان نے ان کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا (حالانکہ پچھلی دفعہ اس نے تسلیم کر لیا تھا لیکن اس دفعہ امریکہ اور یورپ کی فعال مخالفت کی وجہ سے وہ نہ کر سکی) اور نہ چین، روس اور مسلمان ملکوں کو اس کی ترغیب دی۔ چنانچہ دونوں ملکوں میں تعلقات میں گہرائی پیدا نہ ہو سکی۔ اس کے باوجود عمران خان کی حکومت طالبان کی حمایت کرتی رہی لیکن جب امریکی ایماء پر عمران خان کو ہٹا دیا گیا اور پاکستان کی سیاسی و عسکری قیادت امریکہ کے زیادہ زیر اثر آ گئی تو دونوں ملکوں میں تلخی بڑھنے لگی۔ امریکہ کی یہ خواہش ہے کہ پاکستان اسے افغانستان (اور چین) کے خلاف فوجی اڈے دے یا کم از کم انٹیلیجنس کو فعال ہونے دے۔ اس کے لیے وہ چاہتا ہے کہ پاکستان اور افغانستان میں اختلافات بڑھیں بلکہ بعض تجزیہ نگاروں کی تو یہ رائے ہے کہ وہ افغانستان اور پاکستان کو باہم لڑانا چاہتا ہے۔

چنانچہ حال ہی میں پاکستان نے ملک میں موجود افغانوں کو ایک مہینے کے نوٹس کے بعد زبردستی ملک بدر کرنے اور ان کی جائدادوں اور کاروبار کی ضبطی کا حکم جاری کر دیا ہے۔ ظاہر ہے اس پر افغان حکومت کا اضطراب فطری ہے۔ حکومت پاکستان کو چاہیے کہ جس طرح اس نے برسوں افغان مہاجرین کی اسلامی اخوت کے جذبے سے اور مسلم ہمسائے کے ساتھ حسنِ سلوک کی بناء پر ان کی میزبانی کی تھی، اسی طرح اب عزت سے ان کو رخصت کرے۔ اس کے لیے اگر افغان مہاجرین کو

تین ماہ کی مہلت دے دی جائے تو مناسب ہوگا اور ان کو فوری اور جبری ملک سے نکالنا اور ان کی ملازمتوں اور کاروباروں سے ان کو فوراً محروم کرنا حسن سلوک نہیں ہوگا۔ ہاں! جن لوگوں کے تخریبی کاروائیوں میں ملوث ہونے کا شبہ ہے ان کے خلاف فوری تادیبی کاروائی ضرور ہونی چاہیے۔

اسی طرح جہاں تک افغانستان کو سمگلنگ کا معاملہ ہے تو اس کے لیے فوری اقدامات ضروری ہیں لیکن ظاہر ہے اس کے براہ راست ذمہ دار ہمارے شہری اور کرپٹ عناصر ہیں جن کی سرکوبی فوراً کی جانی چاہیے۔ اور اس کے لیے افغان حکومت کو موردالزام ٹھہرانا مناسب نہ ہوگا۔ افغان طالبان کو بھی یہ احساس کرنا چاہیے کہ پاکستان کی ایک حکومت نے اگر ان کی مخالفت کی ہے تو بے شمار دفعہ پاکستان نے ان کی مدد بھی کی ہے لہٰذا پاکستان کے ساتھ ان کا رویہ معاندانہ نہیں ہونا چاہیے اور انہیں پاکستان حکومت کو سخت اقدامات کا موقع اور جواز فراہم نہیں کرنا چاہیے۔ افغانستان کے اب بھی بہت سے مفادات پاکستان سے وابستہ ہیں، وہ ایک لینڈ لاکڈ ملک ہے اور اسے پاکستان کی ضرورت ہمیشہ رہے گی۔ لہٰذا پاکستان سے دوستی ہی ان کے مفاد میں ہے۔

بقیہ: البرہان کے نام

البرہان ہر ماہ ہزار دو ہزار کی تعداد میں شائع ہوتا ہوگا۔ اس کے قارئین عام لوگ تو نہیں ہو سکتے آپ کے منتخب احباب ہی ہوں گے جن سے ہم رہنمائی کے لیے منتظر ہوتے ہیں۔ اب اس بارے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے ان فکری مقالات کی اہمیت ان کے نزدیک نہیں ہے کہ ان پر غور کیا جائے یا وہ ان مقالات میں پیش کردہ حل کے بارے میں مایوسی کا شکار ہیں۔

آپ نے اسلام کے فکری اور عملی نظام اور امت کے حالات اور نشأۃ ثانیہ کے بارے میں جو بہت بڑا علمی (Academic) کام کیا ہے اس کی جو قدر ہونی چاہیے وہ مجھے نظر نہیں آتی۔ یہ کام ایک صحیح اسلامی حکومت کے لیے بہت رہنمائی کا کام دے گا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ پہلے ’’انقلابِ نظام‘‘ کا کام کیا جائے اور پھر ان منصوبوں کو بروئے کار لایا جائے؟ ترتیب بدلنے کی ضرورت ہے ورنہ اصلاحِ احوال کے لیے ایک صدی مزید درکار ہوگی ؎

کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک؟

اسلام اور مغرب

ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری

مسلم معاشروں میں فیمنزم کا چیلنج

ایران میں اس کی مزاحمت جاری ہے

فیمنزم کیا ہے؟

فیمنزم سرمایہ دارانہ طرزِ معاشرت کو عالمگیر بنانے کی تحریک ہے۔اس تحریک کے ذریعہ عورت جو فطرتاً اور شرعاً محجوب اور مستور ہے، نجی دائرہ حیات (پرائیویٹ لائف) سے بے دخل کردی جاتی ہے۔اس کی نسوانیت ایک سرمایہ دارانہ شے (کموڈٹی) بنا کر بازار میں بیچی اور خریدی جاتی ہے۔یوں نجی زندگی (پرائیویٹ لائف) گردشی سرمایہ کے ماتحت آتی چلی جاتی ہے اور سرمایہ دارانہ تعقل (capitalist rationality) عورت کی مستوریت کو ختم کیے بغیر قانون سرمایہ کا تحکم ہمہ گیر اور ہمہ جہت نہیں ہوسکتا اور اس کا تسلط نجی زندگی پر قائم نہیں کیا جا سکتا۔نجی زندگی کی سرمایہ کاری سرمایہ دارانہ نظام زندگی کی لازمی بنیاد ہے۔

لہٰذا عورت کو غیر محجوب یعنی برہنہ کرنا اس کو نجی زندگی کے دائرہ سے نکال کر عمومی زندگی (پبلک لائف) کے سرمایہ دارانہ تعقل کے جبر میں مقید کرنا سرمایہ دارانہ طرزِ حیات اور نظام زندگی کو کارفرما کرنے کے لیے لازمی ہے۔عورت کی برہنگی کو فروغ دینے والی موثر ترین تحریک فیمنزم ہے۔لہٰذا فیمنزم کو ہم "تحریک ردِ نسوانیت" یا "تحریکِ عریاں پرستی" کہنے میں حق بجانب ہیں۔اس کو تحریک "فحش نوازی" بھی کہا جاسکتا ہے۔

مسلم ممالک میں عریاں پرستی (feminism) کو عام کرنا سرمایہ دارانہ سامراج کا ایک اہم ہدف ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلم معاشرت عموماً بڑی حد تک سرمایہ دارانہ تغلب سے محفوظ ہے۔نجی زندگی عموماً اسلامی مذہبیت سے متاثر ہے۔خاندان اور قبیلہ مستحکم معاشرتی صف بندیاں ہیں اور سرمایہ دارانہ ریاستی گرفت معاشرت پر قدرے کمزور ہے۔پھر دو مسلم اکثریتی ممالک (ایران اور افغانستان) اسلامی ریاستیں بن گئی ہیں اور عنقریب ساحلی افریقہ میں چند مزید اسلامی ریاستیں بننے کا امکان ہے۔سرمایہ دارانہ سامراج (امریکی، چینی،

بھارتی) کومسلم اکثریتی ممالک سے بے دخل کرنے کی جاندار تحریکیں کئی جگہ پیش رفت کررہی ہیں اور گاہے گاہے وقتی فتوحات بھی حاصل کرلیتی ہیں (چیچنیا، سوڈان، الجیریا، مصر) اور ان تحریکوں کی معاشرتی جڑیں مستقل پھیل رہی ہیں۔

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

سامراجی سرمایہ دار مسلم ممالک میں تحریکِ عریاں پرستی (فیمنزم) کوفروغ دینا اسلامی تحریکوں کی معاشرتی جڑوں کو کمزور کرنے کے لیے بھی کر رہا ہے اور دو قائم شدہ اسلامی ریاستوں (ایران اور افغانستان) میں اسلامی ریاستی نظام کو تحلیل کرنے کے لیے بھی۔ دونوں اسلامی ریاستیں سامراج کے نشانہ پر ہیں اور سامراج کے مقامی کاسہ لیس تحریکِ عریاں پرستی کو نظام اسلامی کی تسخیر کے لیے اپنے سب سے موثر ہتھیار کے طور پر استعمال کررہے ہیں۔

اسلامی جمہوریہ ایران میں تحریک عریاں پرستی کا کردار

اسلامی جمہوریہ ایران 1979ء میں قائم ہوئی اور شدید سامراجی مزاحمت کے باوجود آج تک الحمدللہ اپنا وجود اور اپنی اسلامی شناخت برقرار رکھے ہوئے ہے۔ اس کے برعکس بیسویں صدی میں جو دوسری اسلامی ریاستیں قائم ہوئیں (چیچنیا، سوڈان، مصر) ان کو تحلیل کرنے میں سامراج کامیاب ہوگیا۔ ایرانی اسلامی ریاست نہ صرف قائم ہے بلکہ اس کی جہادی استطاعت میں مستقل اضافہ ہوا ہے اور آج امارت اسلامیہ افغانستان کی طرح ایران کو سامراج فوجی قوت کے زیر نگیں نہیں کرسکتا۔ ان دونوں اسلامی ریاستوں میں تخریب کاری کے لیے سامراج اپنی سافٹ پاور استعمال کرنے پر مجبور ہے۔

اس سامراجی سافٹ پاور کے مقامی آلہ کار ایران میں افغانستان کے مقابلہ میں زیادہ ہیں اور سامراج کے یہ مقامی آلہ کار تحریکِ عریاں پرستی کے ذریعہ ہی ریاستِ اسلامی پر حملہ آور ہیں۔

ایران میں تحریک عریاں پرستی کی مزاحمت

یہ مزاحمت حکومت اسلامی کے قیام کے چند ہفتوں بعد مارچ 1979ء میں ہی شروع ہو

گئی جب چند عریاں پرستوں نے حجاب کے لازمی قرار دینے کے خلاف ایک ہفتہ تک مظاہرہ کیا۔ سامراج نے ان مظاہروں کی بھرپور تائید کی۔ فرانس کی عالمی شہرت یافتہ فاحشہ سیمون دی بوور نے اس مزاحمت کو سراہا۔ ایرانی کمیونسٹ پارٹی نے عریاں پرست مظاہرین کی حفاظت کے لیے ہتھیار بند دستے فراہم کیے لیکن یہ مظاہرے ناکام ثابت ہوئے اور تحریکِ عریاں پرستی زیرِ زمین چلی گئی۔

2022ء میں پھوٹنے والی عریاں پرست مزاحمت اسی 1979ء والی مزاحمت کا احیا ہے۔ 2022ء کی عریاں پرست مزاحمت کئی ایرانی شہروں میں برپا کی گئی اور اس میں ایک محتاط اندازے کے مطابق 2022ء کے دوران تقریباً 7 لاکھ افراد (آبادی کا 0.8 فیصد) جزوی طور پر شریک ہوئے۔ مظاہروں کے دوران فحش پسند خواتین (feminists) نے اپنے حجاب سرِعام جلائے اور ان فحش پسند خواتین میں اسکول اور کالج میں پڑھنے والی آزاد رو خواتین بھی شامل تھیں۔ مظاہرین نے "مرگ بر رہبر" (یعنی امام علی خامنائی مردہ باد) کے نعرے لگائے۔ مظاہرین حکومت اسلامی کی امریکہ مخالف خارجہ پالیسی کی شدید مذمت بھی مستقلاً کرتے رہے۔ ان مظاہروں کی تدوین اور ترتیب (administration) میں سامراجی گھس بیٹھیوں نے کلیدی کردار ادا کیا۔

مظاہرین کے سامراجی منتظمین کی یہ مستقل کوشش رہی کہ مظاہروں کے ذریعہ بالخصوص کردستانی علاقوں میں نسلی تعصب کو ہوا دیں۔ سیستان اور بلوچستان میں اس نوعیت کی تخریب کاری کی جستجو بری طرح ناکام ہوئی کیونکہ 1979ء سے لے کر آج تک جید سنی علما اور عوام انقلاب اسلامی کے ہم نوا اور حمایتی رہے ہیں اور اسلامی حکومت کے دور میں کبھی بھی شیعہ سنی تنازعات برپا نہیں ہوئے لیکن کئی کردستانی شہر مظاہرین کی زد میں آئے۔ اس علاقہ میں ایک عمومی ہڑتال منعقد کرنے کی کوشش کی گئی جو ناکام ثابت ہوئی لیکن دسمبر 2022ء میں ایک سہ روزہ عمومی ہڑتال چند شہروں میں منعقد ہوئی اور مظاہرین نے قُم میں مدارس کو آگ لگانے کی بھی کوشش کی۔ عریاں پرست مظاہرین کو بابی اور بہائی حلقوں کی بھی بھرپور حمایت حاصل رہی۔

فحش نوازی تحریک کی اساسی دہریت اس کے نظریاتی اظہار سے عیاں ہے۔تحریک عریاں پرستی کا کلیدی نعرہ ہے "زن، زندگی، آزادی"۔ یہ نسوانیت عبدیت اور عقیدۂ آخرت کا برملا انکار ہے اور اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ عریاں پرست اور ان کے نسل پرست حلیف ایران میں سرمایہ دارانہ تہذیب اور نظم ریاست کو غالب کرنا چاہتے ہیں۔ وہ سامراج کے آلۂ کار ہیں اور اپنی سیکولر شناخت پر فخر کرتے ہیں۔ ان کا ایک قومی ترانہ ہے۔ جسے کوثر دین حاجی پور نے تحریر کیا ہے۔ جو ایک بھانڈ ہے۔ اس قومی ترانے کا عنوان ''برائے'' ہے۔ یہ ایسی تحریک ہے جو گلیوں میں ناچنے کا، سرعام چومنے کا، جنسی آزادی کا، تبدیلی جنس کا، آزادی، زندگی اور زن کا، آزادی، حق مانگتی ہے اور انہی مقاصد کے "برائے" برپا کی گئی ہے۔ یہ قومی ترانہ اس ترانے کی بازگشت ہے جو کہ سیکولرسٹوں نے شام میں مجاہدین اسلام کے خلاف مزاحمت کے دوران عام کیا تھا۔ 2022ء کی مزاحمت 2009ء کی اس مزاحمتی تحریک کا تسلسل ہے جو ایرانی حکومتی نظام کو لبرل جمہوری خطوط پر مرتب کرنے کے لیے برپا کی گئی تھی۔ دونوں تحریکوں کا کلیدی ہدف ائمہ اسلام کی ریاستی قیادت کو منتشر کر کے سامراجی نظاماتی باجگزاری کا احیا ہے۔ دونوں تحریکوں کو سامراجی اور بہائی حلقوں کی بھرپور اعانت حاصل رہی۔

ان تحریکوں کے سامراجی منتظمین اس بات کی مستقل کوشش کرتے رہتے ہیں کہ تحریکِ ردِنسوانیت کو نسلی عصبیت اور مزدوروں کی مزاحمتی تحریکوں سے جوڑ دیا جائے۔ ایرانی معیشت کی رفتارِ نمو سخت بیرونی پابندیوں کے باوجود مستقل بڑھ رہی ہے۔ علما کی قیادت میں خواندگی تقریباً 75 فیصد تک پہنچ گئی اور نوجوانوں میں سو فیصد ہے۔ صحت کی سہولتیں عام ہیں۔ دس لاکھ سے زیادہ طالب علم یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم ہیں اور ان میں اکثریت خواتین کی ہے۔ 75 فیصد افراد شہروں میں ہیں اور بھاری صنعتوں کے شعبہ جات کی پیداواری شرح بڑھ رہی ہے۔ آئی ٹی صنعت میں ایران نے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ دفاعی شعبہ معیشت کی ریڑھ کی ہڈی میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ ایران میں ایک جہادی معیشت قائم ہے اور قومی حفاظتی نظام اتنا مستحکم ہے کہ اسرائیل اور امریکا کا ایران کی نیوکلیئر تنصیبات پر حملہ آور ہونا آسان نہیں۔

لیکن معاشی نظام مستحکم نہیں۔ کئی دہائیوں سے افراطِ زر کی شرحِ نمو بہت زیادہ ہے۔

تومان کی شرح تبدل مستقل گر رہی ہے اور عالمی ترسیلِ زر پر حکومتی گرفت ڈھیلی ہے۔ معیشت کی تنظیم نیم سرمایہ دارانہ ہے جس کی وجہ سے بے روزگاری اور آمدن و دولت کی تقسیمی نامساویت بڑھ رہی ہے۔ سیکولر مزاحمتی تحریکیں ان معاشی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ وہ عوام کو یقین دلانے کی کوشش کر رہی ہیں کہ ایران کی معاشی مشکلات کا بنیادی سبب اسلامی حکومت کی جہادی خارجہ پالیسی ہے اور اگر ایران سامراج کے سامنے گھٹنے ٹیک دے تو یہ مشکلات آناً فاناً ختم ہو جائیں گی۔ کسی نہ کسی حد تک ایرانی علما کا "اصلاح پسند معتدل مزاج" بھی سامراج سے مصالحت اور سرمایہ دارانہ آزادیوں کے پھیلاؤ کی ضرورت کا قائل ہے۔ اس گروہ میں سابق صدر میر حسین موسوی اور امام مہدی کردی شامل ہیں۔

تحریک عریاں پرستی کے فروغ کی وجوہات

تحریک عریاں پرستی کی تاریخی جڑیں انیسویں صدی کی بابی تحریک میں پیوست ہیں۔ بابی تحریک نے شیعی روایات کی مخالفت میں حجاب کی ممانعت اور مرد و زن کی معاشرتی علیحدگی کے خلاف مزاحمت کی۔ بابی فحش پسند رہنما قرۃ العین وہ پہلی عورت ہے جس نے مجمع عام میں اپنا نقاب اتار پھینکا۔ 1906ء کے انقلاب کے بعد جو دستور نافذ کیا گیا اس کے تحت فحش پسند خواتین نے انجمنیں قائم کیں۔ 1906ء کے دستور کی تنفیذ کا مقصد ایرانی معاشرت کو ماڈرن اور جمہوری خطوط پر مرتب کرنا تھا۔ جب رضا شاہ 1925ء میں بادشاہ بنا تو اس نے معاشرتی ماڈرنائزیشن کی مہم کو مہمیز دینے کا بیڑہ اٹھایا۔ رضا شاہ کے حامیوں میں دستوری سیکولر، پارسی، بابی اور بہائی شامل تھے۔ اس نے قانوناً زن و مرد کی معاشرتی علیحدگی کو ممنوع قرار دیا۔ 1936ء میں رضا شاہ نے مصطفیٰ کمال اتاترک کی پیروی میں حجاب کے استعمال کو غیر قانونی قرار دیا۔ رضا شاہ کے دور میں ایرانی کمیونسٹ پارٹی کا معاشرتی نفوذ بھی بڑھا اور اس جماعت نے بھی عریانی کی سرپرستی کی۔ اس دور میں متوسط شہری حلقوں میں بے حجابی عام ہونا شروع ہوئی۔

1952ء میں محمد رضا شاہ بادشاہ بنا اور اس کے دور میں سامراج نوازی اور عریاں پرستی اپنے عروج کو پہنچ گئی۔ سرکاری اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی وژن فحش مکالموں اور تصویروں سے سرکاری سرپرستی میں بھر دیے گئے۔ درباری اور سرمایہ کار طبقوں میں زنا کاری عام ہو گئی۔ علما

اور مجتہدین کو بے دریغ قتل اور قید کیا جاتا رہا۔محمد رضا شاہ کے دور میں امریکی اور یورپی فیمینسٹوں کا تسلط ایرانی فحش نوازی پر مستحکم ہوگیا۔ بدقماش داشتائیں شیطانی حقوق (ہیومن رائٹس) طلب کرنے لگیں۔ وہ نکاح کی پابندیوں سے نجات حاصل کرنے کا مطالبہ کھلے عام کرنے لگیں۔اس دور میں مشہور فاحشہ فروغ فرح زاد کی گھناؤنی جنس زدہ شاعری سرکاری طور پر عام کی گئی۔اس کی مشہور نظم "گناہ" بار بار سرکاری میڈیا پر نشر کی جاتی رہی۔سرکاری ذرائع ابلاغ اغلام بازی کی تحریک کی بھی تشہیر و وکالت کرنے لگے۔

1979ء سے لے کر 1991ء تک اسلامی حکومت نے تحریک عریاں پرستی کی روک کے لیے موثر اقدام کیے لیکن اس دور میں بھی اس نے خاندانی منصوبہ بندی کا ایک قومی پروگرام چلایا جس سے مانع حمل ادویات شہروں اور گاؤں میں عام کی جانے لگیں۔قومی شرح پیدائش تیزی سے گری۔شادی کرنے کی اوسط عمر تیزی سے بڑھی اور نکاحی ازدواج میں کمی ہوئی۔ متعی اور غیر نکاحی ازدواجی رشتوں میں تیزی سے اضافہ ہوا۔ بے نکاحی جنسی روابط کو معاشرتی قبولیت حاصل ہونے لگی۔ اسلامی ریاست افواج میں مردوزن کے تعلقات کو برداشت کرنے پر آمادہ ہے۔آج کل ایران میں ایسی شادیاں جو ماں باپ کی رضامندی پر منحصر ہوں اور جو کفو کے اصول کے تحت کی جائیں کم ہوتی جارہی ہیں۔ انٹرنیٹ کے ذریعہ جنسی روابط کا قیام معاشرتی مقبولیت اختیار کیے جارہے ہیں۔ بہت سی خواتین (بالخصوص امراء میں) نکاح سے گریز کرنے لگی ہیں۔عورتوں کی ملازمت کی شرح (بالخصوص غیر رسمی شعبوں میں) بڑھتی جا رہی ہے۔

یہ وجوہات تحریک ردِنسوانیت کے فروغ کی حالیہ وجوہات ہیں۔عورتوں کی بڑھتی ہوئی ملازمتوں کے نتیجہ میں معاشرتی بے حیائی پھیل رہی ہے اور ایران میں ایک جاندار Me Too کی تحریک ابھر آئی ہے جس کے ذریعہ فحاشائیں علما کرام پر زناکاری کے جھوٹے الزامات بے دریغ لگاتی رہتی ہیں۔

فی الحال ردِنسوانیت کی تحریک کی معاشرتی جڑیں بالائی اور متوسط طبقوں میں پیوست ہیں۔ان طبقوں میں الحادی سرمایہ دارانہ اقدار مقبول ہورہے ہیں اور اس کی ایک بڑی وجہ

ایرانی ماس میڈیا کی نشریات ہیں جنہیں طوعاً اور کرہاً اسلامی قیادت کسی نہ کسی حد تک برداشت کررہی ہے۔ ایران میں آج بھی مخرب اخلاق اور اسلام دشمن فلموں کی بھرمار ہے۔ جعفر پناسی کی فلم "ٹیکسی" اسلامی نظام تعلیم کا مذاق اڑاتی ہے۔ اس کی فلم Circle تحریک عریاں پرستی کے مآخذ میں سے ہے۔ محمد اسولوف کی فلم There is no Evil حکومت اسلامی کے خلاف بغاوت کا اعلان ہے۔ فلم سازی کی Iranian New Wave جو اٹلی کی پس جدیدی تحریک کا ایک اظہار ہے اسلامی معاشرت میں عام آدمی کی زندگی کو مایوسی اور حزن کا مرقع بنا کر پیش کرنے کا ذریعہ ہے۔ New Wave فلموں Close Up، Taste of Change اور Fellow Citizen کا یہی موضوع ہے۔ No one knows about Persian Cats شیطانی حقوق کی تشہیر اور وکالت کرتی ہے۔ تہران میں ایک زیر زمین فلمی حلقہ قائم ہے۔ ٹیکسی میں شیطانی حقوق کی وکیل نسرین سنودہ کو ہیرو کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ نسرین سنودہ ایک امریکی جاسوس ہے۔ وہ تحریک عریاں پرستی کی ایک ثقافتی رہنما ہے۔

New Wave Film کی تحریک اور شیطانی حقوق کی وکالت کو اسلامی انقلابی قیادت کے معتدل بازو کی پشت پناہی کسی نہ کسی حد تک حاصل ہے۔ یہ معتدل علما پوری نیک نیتی سے سرمایہ دارانہ آزادیوں اور سرمایہ دارانہ حقوق (شیطانی حقوق) کو فروغ دینا اسلامی ریاست کے استحکام کے لیے ضروری تصور کرتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ شاہ کے آخری زمانہ میں جو انقلابی جدوجہد برپا ہوئی اس میں اسلامی حلقوں کے ساتھ ساتھ اشترا کی، قوم پرست اور لبرل حلقے بھی شامل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست کو جمہوری قالب میں ڈھالنا ناگزیر ہو گیا اور جمہوری عمل کی توسیع و تنفیذ سے سرمایہ دارانہ اقدار (آزادی، مساوات، ترقی) کے جواز کی راہ ہموار ہوتی چلی گئی۔ آیت اللہ نوری نے جمہوری عمل کے ان منفی اثرات کی نشان دہی 1906ء کے انقلاب کی مخالفت کرتے ہوئے واضح کردی تھی اور اسی وجہ سے انہیں شہید کردیا گیا۔

ایران میں عریاں پرست مزاحمت کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟

ریاست پر جمہوری تعقل کی گرفت کو کمزور کرنا سرمایہ دارانہ رجحانات کی تحدید کے لیے

لازمی ہے۔ اسلامی ریاست کی رعایا کو حقوق کا طالب نہیں فرائض کی ادائیگی کا خواہاں بنانا حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ تحریک عریاں پرستی کی مقبولیت عوام کے کچھ حلقوں بالخصوص نوجوانوں میں اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اسلامی انقلابیوں کی معاشرتی گرفت ڈھیلی ہے۔ انقلابی ایسی معاشرتی ادارتی صف بندی نہ کرسکے جو اسلامی روحانیت اور اقدار کے عوامی پھیلاؤ کو ممکن بنائے۔ اسلامی انقلابیوں کو اپنی اس معاشرتی کمزوری کو رفع کرنے کے لیے معاشرہ میں مساجد اور مدارس کے دائرہ کار میں توسیع کرنی چاہیے اور دینی روایات اور تدریس کو اعلیٰ تعلیمی اداروں (بالخصوص ہائی اسکولوں، یونیورسٹیوں) کی انتظامیہ کا لازمی، تحکیمی جزو بنا رہنا چاہیے۔ محلہ اور بازار کی سطح پر ایک ایسا مقامی حکومتی نظام(local government system) جو آئمہ مساجد کے ماتحت ہو اور جس کا بنیادی فریضہ دعوت وتبلیغ اور عوامی اسلامی تحریک کو فروغ دینا ہو۔ تحریک عریاں پرستی کے خلاف عوامی مزاحمت کو فروغ دینا حکومت کی ذمہ داری قرار دی جائے اور یہ مزاحمت مقامی حکومت(local government system) کے تحت منظم کی جائے۔

اس ضمن میں نظریہ ہیومن رائٹس(Human Rights Ideology) کی حقیقی حیثیت کو طشت از بام کرنا نہایت ضروری ہے۔ ہیومن رائٹس سرمایہ دارانہ معاشرتی پھیلاؤ کا موثر ترین ہتھیار ہے۔ ہیومن رائٹس حقوق العباد کا رد ہیں، اور ان کی مقبولیت کے نتیجہ میں سرمایہ دارانہ معاشرت(civil society) قائم ہوتی ہے اور انفرادیت سرمایہ دارانہ قالب میں ڈھل جاتی ہے۔ ہیومن رائٹس کے اثبات اور فروغ کو حرام اور غیر جوازی(illegitimate) ثابت کرنا دور حاضر میں اسلامی تہذیب کے احیاء کے لیے ناگزیر ہے۔

اسلامی حکومت کو جلد از جلد عوام میں (بالخصوص خواتین اور نوجوان طالب علموں میں) ہیومن رائٹس کی تردید کے لیے ایک ہمہ گیر قومی مہم کا آغاز کرنا چاہیے جو مستقل جاری رہے۔ خواتین اور نوجوانوں کے علاوہ اس کے مخاطب نسلی اقلیتیں کرد، عرب، بلوچ بھی ہوں اور ہیومن رائٹس نظریہ کے وکیلوں کو سامراج کے آلۂ کار ثابت کیا جائے۔

ہیومن رائٹس کے وکیلوں سے تعاون اور مصالحت انقلاب اسلامی کی معاشرتی جڑوں کو

کھوکھلا کرنے کے مترادف ہے۔ معتدل (moderate) علما کو یہ بات سمجھانے کی اشد ضرورت ہے۔ ہیومن رائٹس کے وکلا عوام کے بھی خواہ نہیں بلکہ سامراج کے آلہ کار اور انقلابِ اسلامی کے شدید ترین دشمن ہیں وہ اسلامی ریاست عالمی سرمایہ دارانہ معاشرت اور ریاستی نظام میں ضم کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ ان کے خلاف سخت ترین تادیبی کاروائیاں نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہیں۔

ایران افغانستان کی طرح ایک غیر معمولی اسلامی ریاست ہے۔ ہم اس کو غیر معمولی اس لیے کہتے ہیں کہ یہ ایک عالمی دارالحرب میں گھری ہوئی ہے اور کفار کی پیہم جدوجہد ہے کہ ان دونوں اسلامی ریاستوں کو عالمی سرمایہ دارانہ نظام میں ضم کریں۔ ایرانی معیشت نیم سرمایہ دارانہ خطوط پر منظم ہے (بالخصوص اس کا فنانشل شعبہ) اور معتدل صدر کے دور میں حکومت میں تقریباً ڈیڑھ دہائی تک معیشت کو سرمایہ دارانہ خطوط پر لبرلائز کرنے کی پیہم کوشش کی جاتی رہی اور اسی وجہ سے آج افراط زر کی شرح بڑھی ہوئی ہے۔ معاشی لبرلائزیشن کے اس رجحان کو ختم کرنا افراطِ زر پر قابو پانے کے لیے بھی ضروری ہے اور حلاق رزق کے فروغ کے لیے بھی۔ لبرلائزیشن کی تردید اسلامی حکومت کی معاشرتی گرفت کو مستحکم کرنے کے لیے بھی ضروری ہے۔

معاشرہ میں شہوت رانی اور جنسی بے راہ روی کا ایک بنیادی سبب غیر نکاحی عقود کی عمومیت ہے۔ co-habitation تو مغرب زدہ طبقوں تک محدود ہے لیکن متعہ تو عوام الناس میں بھی پھیلا ہوا ہے۔ جنسی بے راہ روی کی روک تھام کے لیے ضروری ہے کہ white marriages اور co-habitation کو قانوناً جرم قرار دیا جائے۔ انٹرنیٹ کے ذریعے مرد وزن کے روابط کے قیام کی حوصلہ شکنی کی جائے (بالخصوص تعلیمی اداروں میں) اور خواتین کی پبلک لائف میں شمولیت کی تحدید کی جائے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ علمائے کرام فقہ جعفریہ کی روشنی میں متعہ کے ضمن میں اجتہاد کریں۔ آج جس تہذیبی یلغار سے بلاد اسلامیہ کا سامنا ہے اس میں شہوت اور غضب کو فروغ دینا سرمایہ دارانہ معاشرتی عمل کا جزو بن گیا ہے۔ ان حالات میں عقدِ متعہ کا ناجائز استعمال عوام و خواص میں عام ہونے کے امکانات بہت زیادہ ہیں اور ایران میں ایک وبا کی طرح پھیل

رہے ہیں۔ اس لیے مجتہدین عظام سے گزارش ہے کہ ان بدلے ہوئے حالات کے تناظر میں متعہ کی حلت اور جواز پر غور فرمائیں۔ کیا گھناؤنی شہوت زدگی سے لتھڑی ہوئی سرمایہ دارانہ معاشرت میں متعہ کو حیلہ کے طور پر استعمال کرنے والے عریاں پرستوں کو برداشت کرنے کا جواز شرع مطہرہ فراہم کرتی ہے؟

آج الحمدللہ ایران کے پڑوس میں ایک اور اسلامی ریاست قائم ہوگئی ہے۔ افغانستان میں بھی شیعہ سنی اتحاد قائم ہے اور فروغ پا رہا ہے۔ وہاں ریاست ایک اسلامی معاشرت قائم کرنے کی جدوجہد کر رہی ہے اور خواتین کے دائرہ کار کو اسلامی خطوط پر مرتب کرنے کے لیے اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ افغان اسلامی قیادت نے معاشی استحکام قائم کر لیا ہے اور افراط زر کی شرح نمو 2023ء میں ان شاء اللہ منفی رہے گی اور ایک غیر سودی اور غیر غرری نظامِ تمویل مرتب کیا جا رہا ہے۔

نہایت افسوس کی بات ہے کہ دو سال سے زائد گزرنے کے باوجود اسلامی ایران نے اسلامی افغانستان کی ریاست کو سرکاری طور پر تسلیم نہیں کیا۔ اس کی کوئی معقول وجہ بیان نہیں کی جا سکتی اور یہ تغافل سامراج کے لیے خوش آئند ہے۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں سلطنت صفویہ اور سلطنت عثمانیہ کی چپقلش بھی مسلم دنیا پر سامراجی تسلط کے قیام کی ایک اہم وجہ بنی تھی۔ کیا ہم اس منحوس روایت کو دہرانے پر تلے بیٹھے ہیں؟

امارت اسلامیہ افغانستان اسلامی ایران سے بہت کچھ سیکھ سکتی ہے اور الحمدللہ ایرانی تاجر اور صنعت کار بالخصوص کان کنی، توانائی اور آئی ٹی کے شعبوں میں امارت اسلامیہ سے تعاون بھی کر رہے ہیں۔ ایران بھی افغانستان سے کافی کچھ سیکھ سکتا ہے۔ معاشرتی ادارتی صف بندی کے بارے میں قیمتوں اور زر مبادلہ کی شرح نمو میں استحکام کے بارے میں تعلیمی نظام کی ترتیب اور تدوین کے بارے میں وغیرہ۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ جلد از جلد اسلامی جمہوریہ ایران امارت اسلامیہ افغانستان کو سرکاری طور پر تسلیم کرے۔ افغان اسلامی انقلاب ایرانی اسلامی انقلاب کا تسلسل ہے۔ ان دونوں اسلامی ممالک میں تعاون اور دیرپا اشتراک عمل ضروری بھی ہے اور سامراج کو مسلم دنیا سے بے دخل کرنے اور شکست خوردہ حیثیت میں فرار ہونے پر مجبور کرنے کے لیے ناگزیر بھی۔

البرہان کی ڈاک

البرہان کے نام

ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری (کراچی)

اکتوبر 2023ء کے البرہان میں کراچی یونیورسٹی میں اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظم اور میرے رہنما ڈاکٹر ابصار احمد کا مضمون "دینی جماعتیں مغرب کی تحریک نسواں سے متاثر ہو رہی ہیں" (صفحہ 22 تا 28) نہایت اہم اور قیمتی ہے۔ اس میں انہوں نے آئی ٹی کے معاشرتی پھیلاؤ کے مضر اثرات کی جو نشان دہی فرمائی ہے وہ بالکل درست ہے لیکن انہوں نے اسلامی جماعتوں میں اس ٹیکنالوجی کی مقبولیت کی وجہ نہیں بیان کی۔ معاملہ صرف ٹیکنالوجی کی مقبولیت تک محدود نہیں بلکہ جماعت اسلامی تیزی سے ماڈرنائز ہو رہی ہے۔ کراچی میں جماعت کی لبرلائزیشن اور ماڈرنائزیشن کا یہ عمل حافظ نعیم الرحمان صاحب کی قیادت میں اپنے عروج پر ہے۔ آج کراچی جماعت کے عوامی مکالمہ میں اسلامی بیانیہ بالکل خارج کر دیا گیا ہے اور جس ماحول میں "بنو قابل" اور "حق دو کراچی کو" کی مہمات چلائی جا رہی ہیں وہ غلیظ اور شرمناک ہے اور اس کا دینی شعائر سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

ڈاکٹر ابصار صاحب کو جو سوال اٹھانا چاہیے تھا وہ یہ ہے کہ جماعت ماڈرنائز اور لبرلائز کیوں ہو رہی ہے؟ دست بستہ عرض کروں گا کہ اس کی ایک وجہ (واحد وجہ نہیں) یہ بھی ہے کہ ان جیسے سکالرز ایک نازک وقت میں جماعت کو چھوڑ گئے اور یوں ماڈرنسٹ، لبرل اور قوم پرست قیادت کے ابھرنے کے لیے جگہ چھوڑ گئے۔ یہ قیادت مخلص ہے لیکن نہ مغربی تہذیب اور فلسفہ سے واقف ہے اور نہ علوم دینیہ میں راسخ ہے۔ یہ پولیٹیکل اسلام کے ہمنوا ویسے ہی ہیں جو ترکی اور تیونس کی اسلامی جماعتوں کی ماڈرنائزیشن جاری رکھے ہوئے ہیں۔ حافظ نعیم الرحمان کو منور حسن صاحب ہی نے تمام تر نیک نیتی کے ساتھ ہم پر مسلط کیا تھا اور پروفیسر خورشید کو مولانا مودودیؒ نے۔

ڈاکٹر ابصار صاحب کو یاد ہوگا کہ میں نے 2004ء میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے قرآن اکیڈمی میں التجا کی تھی کہ وہ جماعت اسلامی میں واپس آ جائیں۔ آج میں یہ التجا ڈاکٹر ابصار، ڈاکٹر امین اور ان جیسے دیگر سکالرز سے دست بستہ کر رہا ہوں۔ جیسا کہ مولانا معین

الدین خٹک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جماعت اسلامی کو چھوڑنے کا نہیں اس کو پکڑنے کا وقت ہے۔

آج ترکی اور تیونس کی اسلامی جماعتوں کی طرح جماعت اسلامی بھی خودکشی کر رہی ہے لیکن اس کو خودکشی سے بچایا جا سکتا ہے کیونکہ ارکانِ جماعت کی اکثریت ماڈرن طرزِ زندگی اور اسلوبِ فکر سے گریز کرتی ہے۔ اگر اسے ڈاکٹر ابصار اور ڈاکٹر امین جیسے سکالرز کی سرپرستی حاصل ہو جائے تو جماعت اسلامی کی اسلامی انقلابی شناخت کو محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ اگر علما اور سابقینِ جماعت جماعت سے لاتعلق رہے تو نہ وہ خود کچھ کر سکیں گے اور جماعت اسلامی ایک سرمایہ دارانہ ماڈرنسٹ پارٹی بنتی چلی جائے گی۔

مدیر البرہان

ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری صاحب ہمارے بزرگ ہیں، نہایت نیک اور ذہین وفطین دانشور ہیں لیکن ساتھ ہی ’’بھولے بادشاہ‘‘ ہیں۔ وہ اب بھی ہمیشہ ’’ہم اسلامی انقلابی ہیں‘‘ کہہ کر بات شروع کرتے ہیں جیسے وہ جماعت اسلامی کے رکن اور قائد ہوں لیکن کیا جماعت انہیں Own کرتی ہے؟ کیا جماعت انہیں اپنا سمجھتی ہے؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہی نہیں کہ جماعت کو ان جیسے، میرے جیسے اور ڈاکٹر ابصار احمد جیسے سکالرز کی ضرورت ہی نہیں جو سوچتے اور بولتے ہوں بلکہ انہیں مریدوں اور گونگے ورکروں کی ضرورت ہے۔ دل تو بہت کچھ لکھنے کو چاہ رہا ہے لیکن خوفِ فسادِ خلق سے ہاتھ روکتا ہوں۔

پروفیسر عبدالخالق سہریانی (کندھ کوٹ۔ سندھ)

البرہان کا تازہ شمارہ موصول ہوا۔ البرہان کا شمارہ اتنے اہم ،فکری اور نظریاتی مقالات و مضامین پر مشتمل ہوتا ہے جو ہمیں کسی دوسرے ذرائع سے دستیاب نہیں ہوتے۔

آپ کے ایک اہم مقالے ’’پاکستان میں غلبۂ دین کا متبادل لائحہ عمل‘‘ کے بارے میں بڑی امید تھی کہ آپ کے ہم فکر احباب اور قارئینِ البرہان اس مقالہ پر تفصیلی ردّ عمل دیں گے مگر افسوس ہوا کہ صرف تین احباب نے اس پر کچھ مختصراً لکھا۔ اس سے پاکستان میں غلبۂ دین کے بارے میں ہمارے دانشور حضرات کی دلچسپی کا اندازہ ہو گیا۔ (بقیہ صفحہ نمبر: ۵۲)

imperialist attack on Afghan culture it has become a necessary step to prevent the secularization of society. Therefore, tribal chiefs, clan heads and other community leaders must be persuaded to accept women's participation in *Madrasah* as an Islamic alternative to their involvement in the work by imperialist financial CBOs and NGOs.

Dawah work among women (and the masses in general) must be focused on the debunking human rights ideology and propaganda. This is a crucially important task at this stage of the revolution to delegitimize the main ideological argument for imperialist intervention within Afghan society. It is urgently necessary to launch a long term nationwide campaign against human rights ideology. WGAE would be grateful to be informed about what is being done in this regard urgently.

The key issue is to contrast human rights with حقوق العباد. The Islamic government must appear in the eyes of the masses as the main provider and protector of حقوق العباد. As far as women are concerned the Islamic government must function as the main protector of حقوق العباد of the wife, the mother and the daughter ensuring حق وراثت and حق مہر and reviewing the نظام کفالت to ensure that female headed households are adequately provided for.

The experience of the Islamic Republic of Iran has shown that campaign for birth control and population planning has played a major role in corrupting women. Iran provided such facilities during the 1990s and now realizes the folly of doing this and is re-abandoning these practices. We must immediately discontinue all imperialist programs for the distribution of contraceptives and all imperialist attempts at discouraging early marriages. It is specially important to immediately halt all psychological support programs targeting women and youth of the UN and the NATO financed Humanitarian Group in Afghanistan.

Dr. Javed Akbar Ansari

A Note on Women's Access to Dawah Activites

The imperialists are specially targeting our women to corrupt them and pollute Islamic society with the evil of human rights ideology. This strategy has proved particularly effective in Iran where a mass feminist movement has been organized and is now the spearhead of the counter-revolutionary movement against the Islamic government.

We must make no concession to the imperialist agencies on the women's question.

The steps taken by our government to restrict women's participation in public life are very necessary but they must be supplemented by positive measures to promote religiosity and spirituality among women at the mass level.

This requires the rapid extension of the dawah among women. The exclusive women *Madrasah* network can serve as the focal point of this dawah activity among the women.

The *Madrasah* provides the natural environment for promoting religiosity and spirituality among the masses. The *Madrasah* will serve as education center for enhancing religious knowledge and some essential skills/ literacy among women, as well as it can be used to impart general household management , health and education training programs . All of these trainings are required to serve womenfolk of IEA by these trained women.

Tableeghi Jamat also involves womenfolk in dawah activities under strict supervision & company of their *Mehram*.

WGAE recognizes that IEA is a traditional tribal society where women's role has been restricted and it has born good fruits by keeping culture at check and maintaining strong family structures. Now in a changed environment of

زیر سرپرستی: محمد منشا طور صاحب

اساتذہ: پروفیسر ڈاکٹر محمد امین، حافظ محمد عمران طحاوی (پی ایچ ڈی سکالر)

فتنوں سے بچنے کا ذریعہ قرآن حکیم ہے۔ (ترمذی)

جوان و بزرگ دونوں کے لیے

فیزیکل و آن لائن

رُجُوعِ اِلی القُرآن کورس

کورس کے لیے رجسٹریشن جاری ہے

دورانیہ: تین ماہ (خواہش مند طلبہ اس کے بعد بھی تعلیم جاری رکھ سکیں گے)

اہلیت: ایف اے (صرف مردوں کے لیے۔ عمر کی کوئی قید نہیں)

اوقات تدریس: گروپ A: صبح 10 تا 1 بجے دوپہر گروپ B: شام 7 تا 9 بجے

ایام تدریس: بروز: پیر تا جمعرات

نصاب

۱۔ قرآن حکیم: تجوید، ترجمہ اور تحفیظ

۲۔ فہم قرآن و حدیث

۳۔ قرآنی عربی

۴۔ تزکیۂ نفس

۵۔ بنیادی فقہی مسائل

۶۔ لیکچرز (اسلام اور جدید مسائل، مسلم عروج و زوال، اسلامی تحریکیں، مغربی فکر و تہذیب وغیرہ)

تحریکِ رجوع اِلی القُرآن

برائے رجسٹریشن: 0300-4107282 0333-1913636 حافظ محمد عمران طحاوی

178 نیلم بلاک، گلی نمبر 2، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

فزیکل و آن لائن

اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کے لیے

حلقۂ تفہیمِ فکرِ مغرب

ایامِ تدریس: بروز: جمعہ ہفتہ بعد نمازِ مغرب

عصرِ حاضر میں مغربی فکر و تہذیب کا غلبہ مسلمانوں کے لیے بہت بڑا چیلنج ہے۔ ان کے اکثر مسائل کا بنیادی سبب ہے اور غلبۂ اسلام کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے لہٰذا مغربی فکر کی تفہیم ناگزیر ہے۔

تحریک اصلاحِ تعلیم تفہیمِ فکرِ مغرب کے لیے اہل لاہور کے لیے فزیکل اور بیرونِ شہر کے خواہش مند حضرات کے لیے آن لائن کورس کا انعقاد کر رہی ہے۔ دلچسپی رکھنے والے حضرات رابطہ فرمائیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین
صدر تحریک اصلاحِ تعلیم ٹرسٹ لاہور

نصاب

* بنیادی نظریات
* فکری تحریکیں
* فلاسفہ و دانشور
* مغربی اقدار
* مغربی فکر و تہذیب کے اثرات مسلم نظام تعلیم، معاشرت، معیشت، سیاست، عدالت، قانون وغیرہ

برائے رجسٹریشن: 0300-4107282 0333-1913636 حافظ محمد عمران طحاوی

178 نیلم بلاک، گلی نمبر 2، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور